بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ویقَوْمِ مَالِیٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ و تَدْعُوْنَنِیٓ اِلَی النَّارہ ط

(ترجمہ ازتوضیح القراں)

اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دے رہا، اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو؟ (سورہ مومن آیت نمبر ۴۱)

وقت کے پھسلن بھرے موڑوں میں اب ہم پھنس گئے! : حیف چھوٹی ہم سے کیوں اصحابؓ کی راہِ نجات!

(شاعر توحید مرغوبؔ بانہالی)

ماہنامہ

سالنامہ مجلس علمی نمبر

راہِ نجات

بارہمولہ کشمیر

جلد نمبر ۴ شمارہ ۱ تا ۱۲ بابت جنوری تا دسمبر ۲۰۱۵ء

سرپرست

آسیؔ غلام نبی وانی

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، اونر

منیر احمد وانی

﴿زرتعاون﴾

(فی شمارہ =/25 روپے)(سالانہ =/300 روپے)

(خصوصی تعاون قارئین کی صوابدید پر ہے)

﴿خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ﴾

دفتر ماہنامہ راہ نجات لون کمپلیکس متصل شیروانی میموریل ہال بارہمولہ کشمیر

PIN :- 193101 (J&K)

بانی وسرپرست: عاصیؔ غلام نبی وانی 9797087730

نائب سرپرست: سالکؔ بلال 9596002936

ایڈیٹر، اونر، پبلشر: منیر احمد وانی 9906518328

(نوٹ) راہِ نجات ایک خالص تحقیقی رسالہ ہے۔ مُتدَیّن اہل علم وقلم حضرات کے تحقیقی مقالوں اور رشحاتِ قلم کو امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنا ہمارا بنیادی مقصد ہے۔ قدیم اور جدید کے صالح امتزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے امت مسلمہ کو اس پرآشوب دور میں صحیح حقائق سے باخبر رکھنا ہم وقت کی اہم اور اشد ضرورت سمجھتے ہیں۔

لیکن!

اس کے لئے جدید متدین دانشور طبقہ اور علوم اسلامیہ کے حاملین ووارثین علوم نبوت کو شانہ بہ شانہ ہو کر کام کرنا ہوگا۔ ادارہ راہِ نجات اس کارِ عظیم کے لئے ایک پلیٹ فارم کی حیثیت سے کام کرنے کا عزم لئے ہوئے صحافتی دنیا میں کود پڑا ہے۔ خدا کرے ادارہ کا یہ دیرینہ خواب پورا ہو جائے۔

نوٹ

مدیر کا مقالہ نگار کی ہر بات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اس شمارے میں

نمبر شمار	نام گوشہ	مضامین	مضامین نگار	صفحہ
۱	ادارت	اداریہ	مدیر	۳
		مجلس علمی کا قیام اور اس کے اغراض و مقاصد	سرپرست ماہنامہ ھٰذا	۶
۲	تحقیق	**عصر حاضر میں تحریر و تصنیف اور مسلمان اہل علم کی ذمہ داریاں**		
		مقالہ نمبر۱	سرپرست ماہنامہ ھٰذا	۱۳
		مقالہ نمبر۲	مولوی غلام محمد پرے	۲۱
		مقالہ نمبر۳	ڈاکٹر شکیل شفائی	۲۴
		مقالہ نمبر۴	پروفیسر ڈاکٹر محمد فاروق	۳۵
		مقالہ نمبر۵	الحاج ماسٹر شیخ محمد امین	۴۳
		مقالہ نمبر۶	داکٹر فیض احمد فیاضؔ	۴۵
		مقالہ نمبر۷	ملک محمد جاوید اچھہ بل	۵۳
		سمینار سے متعلق شرکاء کے تاثرات	(مرتب) سالکؔ بلال	۵۹
		واقعۂ معراج (سب سے بڑا معجزۂ نبوی)	مفتی محمد اسحٰق نازکیؔ	۶۹
		تحریک دعوت و تبلیغ ایک عظیم عالمگیر تحریک	منظور احمد دیوبندی	۷۸
۳	ادب اسلامی	میری استدعا	آسیؔ غلام نبی	۸۸
۴	تذکرۃ الصالحین	یادرفتگاں	غلام حسن مون صاحب	۹۰
۵	سوال و جواب	شرعی و فقہی اسطلاحات سوال و جواب کی روشنی میں	آسیؔ غلام نبی	۹۴
۶	تصوف اسلامی	درس مثنوی	آسیؔ غلام نبی	۱۱۳
۷	حالیہ سیلاب	حالیہ سیلاب میں جمعیت علمائے ہند کی خدمات زیر نگرانی محمد رحمت اللہ قاسمی مہتمم دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ	محمد حمید اللہ میر رحیمی بانڈی پورہ	۱۱۷
۸	فتاویٰ	مسائل شتیٰ (ماخوذ)	آسیؔ غلام نبی (مرتب)	۱۲۲

اداریہ

ہمیں اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ آج ہم ''مجلسِ علمی'' کے عنوان سے ایک خصوصی شمارہ قارئین کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔ ''مجلس علمی'' کیا ہے اور اس کے اغراض ومقاصد کیا ہیں اس کے متعلق آپ کو صحیح جانکاری ان ہی زیرنظر شماروں میں حاصل ہو جائے گی۔ البتہ قارئین کو اس بات سے آگاہ کرنا ضروری ہے کہ اس عنوان کے تحت قائم شدہ یہ مجلس دینی جماعتوں میں ایک اور نام کا اضافہ کرنے کی غرض سے قائم نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کے قیام کا مقصد اپنی دینی تحریک کی حفاظت، اسلامی علوم کی اشاعت، اسلامی کارنامے انجام دینے والی شخصیات کا تعارف، نئی نسل میں ابھرنے والے خدشات واشکالات کا صحیح اور تشفی بخش جواب، مغربی تہذیب کے مضر اثرات اور اُن سے بچنے کی تاکید، اسلامی تحریکات کا تعارف، مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان اتحاد واتفاق کی راہیں تلاش کرنے کی بھرپور سعی، تعلیم یافتہ نوجوانوں میں ذوق مطالعہ پیدا کرنے کا جذبہ، ہر علاقہ میں دارالمطالعہ قائم کرنے کی ترغیب، اہم دینی موضوعات پر علمی سمینار منعقد کرانے کی کوشش، ایک دارالمبلغین قائم کرنے کا عزم، جس میں ایسے مبلغ تیار کئے جائیں جو اپنے مفوضہ موضوع پر ماہرانہ عبور رکھتے ہوں اور اسی طرح کی دوسری اہم اور وقتی ضرورتوں کا انتخاب اور ان کا صحیح حل ڈھونڈنا۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے پروجیکٹ کے لیے باعزم افراد کی ضرورت ہے جو صبح کی نیند سے جاگنے کے لیے گھڑی کے الارم کے منتظر یا عادی نہ ہوں بلکہ ان امور کی انجام دہی کے لیے راتوں کو بے چین اور دنوں کو چوراہے کے سپاہی کی طرح مستعد ہُوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان امور کو انجام دینے والے افراد اس وقت بھی اپنے انفرادی دائرے میں کچھ نہ کچھ کوشش کررہے ہیں، لیکن ان سب کاوشوں کو مربوط کرنے کی کوئی جاندار کوشش اس وقت تک نہیں ہوئی، نتیجے کے طور پر یہ سب ہیرے منتشر رہے۔ اب ان بکھرے ہوئے موتیوں کو تسبیح کے دھاگے کی ایک ہی مالا میں پرونے کے لیے اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبالؒ کا شعر ہے۔ ع

موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

اس کارخیر میں سب سے اہم رول علمائے کرام اور دانشور حضرات ہی ادا کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ کسی بھی زمانے میں عوام کی علمی وادبی لگام ان ہی دو طبقوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں طبقوں میں سے کتنے اصحاب اس کام کے لیے اپنے آپ کو فارغ کرنے کے لیے تیار ہیں یا اپنے نجی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ کتنا وقت ان اہم دینی امور کو بجالانے کے لیے صرف کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو بہت عرصہ قبل شروع ہونا چاہیے تھا، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس پہنچے تو اس کو بھولا ہوا ہی کہیں گے۔ اگر چہ راہِ نجات کی اشاعت کا کام ہم نے ذاتی طور سے شروع کیا، لیکن جب تک مجلس علمی اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے گی تب تک ''ادارہ راہِ نجات'' اس اہم مجلس کی ترجمانی محض خدا کی رضا کے لیے رضا کارانہ طور ادا کرتا رہے گا۔ چنانچہ اس وقت تک اسی ادارے کی طرف سے کشمیر میں دو بڑے علمی سمینار منعقد کئے گے ایک سمینار کشمیر کی ایک اہم مگر گمنام شخصیت حضرت مولانا عبدالولی شاہ صاحبؒ کی حیات، خدمات اور تعلیمات پر سرینگر کے قلب میں واقع ایک دارالعلوم (جو سراج العلوم کے نام سے دلال محلّہ سرینگر میں واقع ہے) میں منعقد کیا، جس میں ادارہ کے منتظمین نے اپنا مثالی تعاون پیش کیا اور دوسرا اہم سمینار لون شاپنگ کمپلکس بارہمولہ میں منعقد کیا، جس میں مالکانِ کمپلکس خاص کر جناب محمد رفیق صاحب اور چند دیگر حضرات نے اپنے بھرپور تعاون سے نوازا اور کشمیر کے چوٹی کے علماء اور دانشوار حضرات نے شرکت فرمائی اور جس کی صدارت کا سہرا اللہ تعالیٰ نے **حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب الحسنی دامت برکاتھم** کو عنایت فرمایا۔ اس کا موضوع تھا ''**عصر حاضر میں تحریر وتصنیف کی اہمیت اور مسلمان اہل علم کی ذمہ داری**'' چنانچہ جن حضرات نے سمینار میں اس موضوع پر بولا اُن میں سے جن کے تحریری مقالے ہمیں موصول ہوئے وہ ہم نے زیرنظر شماروں میں شائع کئے اور اس کے ساتھ ساتھ جو تاثرات انہوں نے تحریری طور سے بیان فرمائے ان کو بھی ہم نے شائع کیا ہے، تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ زیر بحث امور کو علماء اور دانشور کتنا اہم اور ضروری سمجھتے ہیں اور یہ کوئی لایعنی کام نہیں ہے بلکہ وقت کی اہم ضرورت

ہے۔آخر پر ہم مخلص اور دردِ دل رکھنے والے اصحاب سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ ان امور کی انجام دہی کے سلسلے میں مجلس علمی کو اپنے بھرپور تعاون سے نوازیں۔**ان تنصر الله ینصر کم و یثبت اقدامکم** (سورہ محمد آیت ۷)**وان تتولو ایستبدل قوماً غیر کم ثم لا یکونو امثالکم** (سورۂ الانعام ۳۸)

مجلس علمی کا قیام اور اس کے اغراض ومقاصد

(از) آسی غلام نبی وانی سرپرست ماہنامہ ھٰذا

تمام اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام کے داعیوں نے اسلام کو کئی صورتوں سے دنیا والوں کے سامنے پیش کیا اور ہر صورت اپنی جگہ ایک خاص اہمیت رکھتی ہے اور اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے یہ کسی جاہل کا اندازِ فکر ہی ہوسکتا ہے کہ وہ صرف اپنی طرز کی کارکردگی کو ہی اسلام کے پھیلنے اور پنپنے کا واحد طریقہ سمجھ لے۔داعیان اسلام نے ہر دور میں اپنی پر جوش دعوت کے ذریعے اسلام کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کی۔ائمہ اور محدثین نے درس وتدریس کے ذریعے اسلام کی محافظت کا فریضہ انجام دیا۔حضرات علمائے کرام نے اپنی تحریر وتصنیف کے ذریعے اسلام کو فروغ دیا اور صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے خانقاہوں کے ذریعے اسلام کی روح سے طالبوں کو آشنا کیا۔یہ ساری باتیں اسلام کے لیے ایک مثبت پروگرام ہے۔اور ان تمام عاشقان اسلام کے درمیان ایک زبردست تال میل کی ضرورت ہے۔لیکن بدقسمتی سے کچھ ایسی ہوا چلی کہ کچھ لوگ اپنے مخصوص حلقے کے اندر کام کرتے رہے۔اور دوسرے کے کام کو یا تو شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے یا ان کی اہمیت کم کرنے کے لیے اور اپنے کام کو موثر ثابت کرنے کے لیے اپنا زور بیان اور زورِ قلم صرف کرنے لگے، جو کوئی نیک شگون یا خوش آیند بات نہیں ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر طبقہ اپنا فریضہ انجام دیتے وقت دوسروں کے اکرام واحترام کا بھی خیال رکھے اور ہر طبقہ کو اپنے دعائے خیر میں حصہ دار بنائے۔ان چار شعبوں میں تحریر وتصنیف کا شعبہ بھی ایک زبردست شعبہ ہے، جس کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے۔یہ قلم ہی ہے جس کے متعلق اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ والقلم ومایسطرون۔قسم ہے قلم کی اور اُن مبارک سطروں کی جو اس قلم سے لکھی جاتی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ قلم کا یہ دعویٰ ہے کہ ''من شاہ جہانم'' یعنی میں دنیا کا بادشاہ ہوں اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔کشمیر کی ایک بڑی بدقسمتی اس وقت تک یہ رہی ہے کہ قلم وعلم کے عنوان کے تحت یہاں پر اس وقت کوئی باضابطہ لائحہ عمل نہیں اپنایا گیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری نئی نسل اپنے اسلاف کے کارناموں اور حالات زندگی سے بھی اس وقت تک پوری طرح باخبر نہ ہوسکی۔آج ہمارے بچے ایران توران کے قصے تو خوب دھراتے ہیں، لیکن اپنی تاریخ اور ماضی سے بالکل بے خبر

ہیں۔علامہ اقبالؒ کا مشہور شعر ہے ؎

یادِ عہدِ رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے
میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

دین کے ان بنیادی اور چار شعبوں میں سے تحریر و تصنیف کا شعبہ اس امت مرحومہ یعنی خیر امت کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک اہم شعبہ تسلیم کیا گیا ہے۔موجودہ دور میں جب کہ لکھنے پڑھنے کا عام رواج ہو چکا ہے اور قلم کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔لیکن بے لگام قلم نفع کے بجائے نقصان کا پیش خیمہ بھی بن سکتا ہے۔اس لیے ہمیں ہر حال میں علمائے حقانی اور دین پسند اہل دانش کے ساتھ قریبی رابطہ میں رہنے کی ضرورت ہے۔مجلس علمی کے قیام کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ یہ دونوں اہم طبقے بھی آپس میں قریبی رابطے میں رہیں۔اہل علم کی نگرانی اس لیے بھی ضروری ہے کہ کہیں ہمارے قدم کسی غلط سمت کی طرف لغزش نہ کھائیں۔اور دین پسند اہل دانش کا تعاون اور ان کے مفید مشورے بھی نہایت سود مند رہیں گے۔یہی دو طبقے عملاً عوام الناس کو صحیح سمت کی طرف رہبری و رہنمائی کرنے کے معمور بھی ہیں اور اس کام کے لیے موزون بھی اسی ضرورت کے پیش نظر ہم اس کے لیے کوشاں ہیں کہ مجلس علمی کے عنوان کے تحت دینی علوم کو فروغ دیا جائے اس کے لیے اس مجلس نے چند نشانے مقرر کیے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔مذہبی تاریخی اور عصری اعتبار سے جن موضوعات پر لکھنے کی ضرورت ہے ان کو آسان انداز میں تعلیم یافتہ نوجانوں کے سامنے پیش کرنا۔

۲۔مجلس علمی کو شرعی حدود میں جدید سہولیات سے جن اس شعبہ کو تقویت پہنچنے کی امید ہو ان سے مجلس علمی کو لیس کرنا اور ان سے استفادہ کرنا۔

۳۔اسکولوں اور کالجوں میں سمیناروں اور مجالس کا انعقاد کرنا۔

۴۔اسلامی موضوعات پر لکھنے والے علماء و دانشور حضرات کی مختلف طرح سے حوصلہ افزائی کرنا۔

۵۔اخبارات (دینی رسائل و جرائد) کے ذریعے اسلامی علوم کو گھر گھر پہنچانا۔

۶۔الیکٹرانک میڈیا یا نشر و اشاعت کے عصری ایجادات کو بروئے کار لا کر اسلامی میڈیا کو جاندار بنانا۔

۷۔حضرات علمائے کرام اور عوام کو آپس میں قریب لانے کی کوشش کرنا۔جس میں دینی اجتماعات

اور مذاکروں کا اہتمام کرنا۔

اسی سوچ کے تحت سال ۲۰۱۳ء میں سرینگر کے سراج العلوم میں مجلس علمی کی طرف سے تذکرۃ السلف عنوان کے تحت ایک شاندار علمی سمینار منعقد کیا گیا۔جس میں تقریباً ڈیڑھ سو علمائے کرام نے شرکت کی جن میں خاص کر علمائے دیوبند کے جلیل القدر علماء نے بڑے پر مغز اور جاندار مقالے پڑھے،جن کی پوری تفصیل آپ کو راہ نجات کے سمینار نمبر سے معلوم ہو سکتی ہے۔چونکہ حضرات علمائے کرام نے مجلس علمی کے تحت اس منعقدہ سمینار کو زبردست سراہا اور بار بار ایسے علمی سمینار منعقد کرنے کی تمنا ظاہر کی لہٰذا اسی ضرورت کے پیش نظر اس مجلس علمی نے ان عزائم کو لیکر کام کرنے کا بیڑا اٹھایا۔جس کی آج ضرورت بھی ہے اور اپنی جگہ کافی اہمیت بھی۔اس مجلس علمی کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہوگا کہ اس کے ساتھ منسلک ہونے والے احباب ہی علم و ادب کے واحد وارث ہیں بلکہ حضرات علمائے کرام سے استفادہ حاصل کرنے کے لیے اور ان کے علوم کو عام کرنے کے لیے کل پرزوں کا کام کرنا ہوگا۔جس کے لیے تیس صورتوں میں سے ایک صورت آپ کو اختیار کرنا پڑے گی۔یا تو ایک رضا کار کارکن کی طرح کام کرنا ہوگا۔تو آپ اس اہم شعبے کے کارکن تصور کیے جائیں گے یا اس کام کو تعاون کرنا ہوگا تو آپ اس کے معاون تصور کیے جائیں گے۔اس میں آپ کو کم از کم اپنے متعلقین کو اس کام میں جڑنے اور اپنے امکانی حد تک تعاون دینے کی دعوت دینی ہوگی۔کسی معقول عذر کی وجہ سے اگر آپ یہ دو کام نہیں کر سکتے ہیں تو کم از کم بوقت ضرورت اپنی ذات کے اعتبار سے مالی و جانی تعاون کرنا ہوگا۔مجلس علمی ایک غیر سیاسی تنظیم ہوگی۔جس کا مقصد علم و ادب کی نشر و اشاعت ہوگی۔

یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ دینیات کے لیے مالیات کی ضرورت ہوتی ہے اسی لیے قرآن کریم کے پہلے ہی صفحہ پر متقی لوگوں کی تعریف میں ایمان بالغیب اور نماز کے ساتھ جو صفت بیان کی گئی ہے وہ ممارزقھم ینفقون کی خاص صفت ہے،جس کا سیدھا سادہ مفہوم یہ ہے کہ متقی وہی لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں اس رزق میں سے فراخ دلی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں جو ہم نے ان کو عطا کی ہے۔یہاں رزق سے مراد صرف کسی سائل کو چند پیسے دے کر خوش کرنا نہیں ہے بلکہ صحابہ کی طرح اپنے پورے مال و جان کی قربانی کے ساتھ اللہ کی طرف سے دی ہوئی مال و جان کو اللہ کے راستے میں صرف کرنا ہے۔جب تک مسلمانوں کے اندر اس قسم کا

جذبہ موجود تھا دنیا کی کوئی طاقت ان کو خوف زدہ نہیں کرتی تھی اور وہ اقوام عالم پر غالب تھے لیکن جب سے ہم نے اس مال کو تجوریوں میں گن گن کر بند کرنا سیکھا اور ضرورت کی حدوں کو پھاند کر عیش وعشرت کے کاموں پر اس کو صرف کرنے کا غیر مسنون طریقہ اپنایا تب سے ہم کافی مال ہاتھ میں آنے کے باوجود اقتصادی طور پر پریشان حالی کا شکار ہیں۔ دراصل ہمیں ضرورت اور عیش وعشرت میں تمیز کرنا نہیں آتا ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں میں بھی کھانے کا وہی مزہ ہوتا ہے جو مٹی کے برتنوں میں ہوسکتا ہے۔ کم خواب ور جواہرات پہن کر اور رستے اور گوشتابے کھا کر زندگی کے ایام میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ عالی شان محلات تعمیر کر کے میٹھی نیند اور سکون قلب حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان کامیابیوں کا راز مال میں نہیں بلکہ ایمان اور اعمال میں ہے۔ لیکن ایمان اور اعمال میں مضبوطی لانے کے لیے مال وجان کی قربانی کے ساتھ اس دین کو عام کرنے کی جستجو میں لگنا ضروری ہے۔ آج ہمارا معاملہ کچھ عجیب سا ہو گیا ہیکہ مال کو جان پر لگاتے ہیں اور جان کو مال کے حاصل کرنے پر لگاتے ہیں۔ اللہ نے جس دنیا کو آزمائش گاہ کا نام دیا ہے ہم اس کی آرائش میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اسی میں آسائش پانے کے متمنی ہے۔ جبکہ امر واقع یہی ہے کہ دنیا نہ آرائش کی جگہ ہے نہ آسائش کی بلکہ آزمائش کی جگہ ہے۔ ایک شاعر نے اسی حقیقت کے پیش نظر کہا ہے کہ ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ایسے حالات میں جبکہ دینی امور میں ترقی کے لیے مالیات کی ضرورت ہے تو اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں سے جو مال ہم کماتے ہیں اس میں سے ایک حصہ دین کی ترقی کے لیے مختص کرنے کی ضرورت ہے۔

جو لوگ آنکھیں بند کر کے ان ضروری امور سے آنکھیں موند لیتے ہیں ان سے ہماری کچھ غرض نہیں، نہ ہی ایسے خود غرض اشخاص کوئی دینی کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ البتہ عقل سلیم رکھنے والے اصحاب خیر سے ہماری دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ آگے آئیں اور وقت کی اس اہم پکار کو جانچ لیں ورنہ ملت کے فرزند اور بہو بیٹیاں اگر راہ حق سے بھٹک جائیں گے تو اس کا جواب انہیں روز محشر دینا ہوگا۔

مراد ما نصیحت بود و کردیم حوالت با خدا کردیم و رفتیم (شیخ سعدیؒ)

(ترجمہ) ہمارا مقصد صرف نصیحت کرنا ہے وہ تو ہوگئی اب ہم آپ کو خدا کے حوالہ کر کے آپ سے رخصت ہوتے ہیں۔

رائے عالی از حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب بارہمولہ

(۱) نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم: اما بعد

دین اسلام اللہ پاک کی وہ عظیم رحمت ہے جو اس نے بذریعہ رحمۃ للعالمین حضرت محمد عربی ﷺ کے ذریعہ اپنے تمام بندوں کی خوشحالی، کامیابی، نجات وسعادت اور دنیا وآخرت میں سربلندی وسرخروئی کے لیے نازل فرمائی۔ چنانچہ دین حق اپنی فطرت کے لحاظ سے عالمی، دائمی، آفاقی اور دعوتی واقع ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس دین حق کو شعور وبصیرت کے ساتھ قبول کر کے اللہ کے اس نظام رحمت سے تمام مخلوق خدا و بنی نوع انسان کو اس کے دائرہ امن و آفیت میں داخل کرنا سبھی اہل ایمان کی منصبی ذمہ داری ہے اور اس کے اہم ترین وسائل میں سے ابتداء سے ہی قلم اور تحریر وتصنیف نے بنیادی کردار ادا کیا ہے جیسا کہ ''علم بالقلم'' کی صراحت اولین وحی مبارک کے کلمات میں موجود ہے۔ کیونکہ اگر یہ تحریر وکتابت کی مہم نہ ہوتی تو دین حق کا حلیہ ہوس پرستوں اور شیطان کے نمائندوں نے بگاڑ کر رکھ دیا ہوتا اسی وجہ سے اس امت مرحومہ یعنی خیر امت کی اہم ترین خصوصیات میں سے کثرت تصنیف وتالیف کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

محترم الحاج غلام نبی وانی صاحب نے ماشاء اللہ اس سلسلے میں اب تک قابل قدر کام انجام دیا ہے اور ان کے کام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے علمائے اہل حق سے برابر استفادہ، مشاورت اور ان ہی کی سرپرستی میں کام کرنے کا بہر صورت عزم بالجزم کر رکھا ہے۔ نیز کام کو دین کے فطری انداز ''لا اسئلکم علیہ اجرا'' کی روشنی میں تجارت، مالی منفعت اور دیگر دنیوی ونفسانی اغرض سے پاک وصاف رکھ کر انجام دینے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ مجھے اللہ پاک کی رحمت سے یقین ہے کہ اگر موصوف کا یہ کام ان ہی خطوط پر خلوص وللّٰہیت اور شرعی حدود کی مکمل پاسداری کے ساتھ جاری رہا تو خود ان کے اور ملت اسلامیہ کے حق میں اس کے نہایت ہی مفید ثمرات ظاہر ہونگے۔ اور جن مقاصد کو حاصل کرنے کا موصوف نے تذکرہ فرمایا ہے اللہ پاک

ضرور اس میں نصرت و دستگیری فرمائیں گے۔ اللہ جل شانہٗ ہم سب کو دین حق کی اشاعت و حفاظت اور ہر نوع کی خدمات کے لیے دیر اور دور تک عالمی پیمانے پر کام کے لیے قبول فرمائے اور ہماری ضروریات و معلقین کو بھی اس کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

حررہٗ احقر عبدالرحیم عفی عنہ

خادم دارالعلوم المصطفوی توحید گنج بارہمولہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۲ جنوری ۲۰۱۴ء

(۲)

رائے عالی از ڈاکٹر نذیر احمد زرگر صاحب کریری

متکلمین کے نزدیک مقاصد تخلیق میں سے ایک بنیادی مقصد ہے اظہار قدرت۔ گویا قدرت قاہرہ کائنات کی آیات باہرہ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اوراد فتحیہ میں حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ نے اس طرح درج فرمایا ہے: **یا من دلت اعلیٰ وحدانیتہ آیاتہ و شھدت بربوبیتہ مصنوعاتہٗ** مطلب یہ کہ جہاں رب ذوالجلال کی وحدانیت کی دلالت آیات قرآنیہ میں موجود ہے وہاں اس کی ربوبیت کی گواہی مخلوقات عالم سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اظہار حق کے واسطے ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کو زبان عطا کی۔ قوت گویائی بفحوائے قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا مظہر ہے۔ لیکن گویائی سے پہلے علم کا وجود لازمی ہے اور علم کو سکھانے کے واسطے آلۂ قلم سے کام لیا گیا۔ **علم بالقلم**

پتہ چلا کہ اظہار حق بذریعہ قلم اسلوب قرآنی سے باہر ہرگز نہیں۔ بلکہ زیادہ گہرائی میں جائیں تو حدیث شریف کی رو سے ہر چیز کی تقدیر کو جب رب قادر مطلق نے بیان فرمایا تو قلم ہی سے حکم فرمایا کہ ضبط تحریر میں لائے (ابو داؤد) اس لیے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دعوت بالقلم بھی مسنون ہے۔ محبوب کبریا ﷺ نے شاہان عالم کو دعوتی خطوط لکھوائے، جن کے ذریعہ اسلام کی طرف دعوت دی۔

برسوں سے ضرورت محسوس کی جاری تھی کہ وادیٔ کشمیر میں دارالمصنفین اور ندوۃ المصنفین کی طرح کوئی دینی علمی ادارہ قائم ہو جاتا جہاں علماء و دانشوروں کا work culture پیدا ہو جاتا۔

ہر دو بستانوں کے اصحاب علم و فکر کو سوچنے کو اپنی سوچ کو رشحات قلم کی صورت دینے کا موقع

ملتا لیکن بہت دفعہ کشمیر یونیورسٹی کے چوٹی کے دانشور حضرات کے سامنے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ ہمارے اساتذہ کرام نے بھی اس طرح کے فعال ادارے کے فقدان کا رونا رویا۔ مگر عملاً کچھ نہ ہو سکا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس سے کام لینا ہے۔

بالآخر یہ سعادت نصیب ہوئی محترم الحاج غلام نبی وانی صاحب دامت فیوضھم کو جنہوں نے مجلس علمی کی تاسیس کی اور اس کے ترجمان کی حیثیت سے ماہنامہ راہِ نجات کا بابرکت رسالہ اجراء کیا۔ تب جا کے اہل علم کے کے ہاتھوں میں ایسے انمول شمارے آ گئے جنہوں نے فکر عمل کو مہمیز دینے کا کام کیا اور اب یہ سلسلہ بحمد اللہ رواں دواں ہے۔

اللہ تعالیٰ موصوف اور ان کے جملہ اراکین کے ساتھ ساتھ قلمے، سخنے، درہمے اور کسی بھی طرح کا تعاون کرنے والوں کو اخلاص عطا فرمائے۔

آمین احقر العباد

نذیر احمد زرگر

(پی۔ ایچ۔ ڈی اسلامیات کشمیر یونیورسٹی)

مجلس علمی کی طرف سے منعقدہ دوسرے ریاست گیر سمینار میں پڑھے گئے تحقیقی مقالات

''عصر حاضر میں تحریر وتصنیف اور مسلمان اہل علم کی ذمہ داریاں''

مقالہ نمبر ۱

(از) سرپرست ماہنامہ راہِ نجات

آج کے سمینار کا موضوع تحریر وتصنیف اور اہل علم کی ذمہ داریوں سے متعلق ہے۔ تحریر وتصنیف کی بنیاد قلم پر ہے۔ قلم کے بغیر تحریر وتصنیف کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قلم کی شکلیں بدلتی رہیں گی لیکن ان تمام بدلتی شکلوں کے باوجود قلم قلم ہی ہے۔ اور کسی بھی زمانے میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن حکیم جو خالق کائنات کی ایک ایسی لازوال کتاب ہے جو قیامت تک بنی نوع انسان کے لیے مشعل راہ ہے ایک پوری سورت اسی نام کے ساتھ معنون ہے اور تفسیر قادری میں وسیط کے حوالہ سے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابوھریرہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول مقبول سے سنا ہے کہ پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی وہ قلم تھا اور پھر نون کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے اور قلم اور اس دوات سے لکھا جو کچھ تھا اور ہے اور ہوگا اس تقدیر پر حق تعالیٰ نے قسم کھائی دوات کی والقلم اور قسم قلم اعلیٰ کی کہ نور سے ہے اور اس کا طول مابین السماءِ والارض ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ قلم مراد ہے جس سے کتابت کرتے ہیں اور دین ودنیا کے مصالح میں اس کے فائدے بہت ہیں۔ **وما یسطرون ٥** اور اس کی قسم کھاتا ہے جو کچھ ملائکہ حفظ لکھتے ہیں احکام وحی یا جو کچھ ان کو حکم ہوتا ہے۔ تبیان میں ابن ہضیم سے نقل ہے کہ نون دہن ہے اور قلم زبان اور ومایسطرون وہ ہے جو کچھ حفظ بندے پر لکھتے ہیں۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ قلم سے مراد عام قلم بھی ہوسکتا ہے جس میں قلم تقدیر اور فرشتوں اور انسانوں کے سب قلم جن سے کچھ لکھا جاتا ہے سب

داخل اور خاص قلم تقدیر بھی مراد ہوسکتا ہے۔ آگے بعض حضرات کا حوالہ دیکر مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک قلم، قلم تقدیر پیدا فرمایا جس نے تمام کائنات ومخلوقات کی تقدیریں لکھدیں پھر دوسرا قلم پیدا فرمایا جس سے زمین پر بسنے والے لکھتے ہیں اور لکھیں گے اس دوسرے قلم کا ذکر سورۂ اقراء میں آیا ہے علم بالقلم۔

آیت میں اگر قلم سے مراد قلم تقدیر لیا جائے جو سب سے پہلی مخلوق ہے تو اسکی عظمت اور رتمام چیزوں پر ایک برتری ظاہر ہے اس لیے اس کی قسم کھانا مناسب ہوا۔ اور اگر قلم سے مراد عام قلم لیے جاویں جس میں قلم تقدیر اور فرشتوں کے اقلام کے علاوہ انسانوں کے قلم بھی داخل ہیں تو اس کی قسم اس لیے کھائی گئی کہ دنیا میں بڑے بڑے کام سب قلم ہی سے ہوتے ہیں۔ ملکوں کی فتوحات میں تلوار سے زیادہ قلم کا مؤثر ہونا منقول ومعروف ہے۔ ابوحاتم بستی نے اسی مضمون کو دوشعروں فرمایا ہے ؎

اذا اقسم الابطال یومابسیفھم
و عدّوہ ممّا یکسب المجد والکرم

(ترجمہ) جب کہ قسم کھائیں بہادر لوگ کسی دن اپنی تلوار کی اور اس کو شمار کریں ان چیزوں میں جو انسان کو عزت وشرف بخشتی ہیں ؎

کفیٰ قلم الکتاب عزاً و رفعۃ
مدی الدھران اللہ اقسم بالقلم

(ترجمہ) تو کافی ہے لکھنے والوں کا قلم ان کی عزت اور برتری کے لیے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے کیونکہ اللہ نے قسم کھائی ہے قلم کی۔

مفتی صاحب نے کچھ آگے چل کر فائدہ کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں وہ مضمون قسم پر ایک شہادت ہوتی ہے۔ یہاں **مایسطرون** کے لفظ سے دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا اور لکھا جارہا ہے اس کو بطور شہادت پیش کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو۔

کسی چیز کو ضائع ہونے سے بچانے کی صورت:

انسان کا حافظہ خواہ کتنا ہی مظبوط کیوں نہ ہو لیکن پھر بھی سہو ونسیان کا امکان ہے۔اور صحابہ کرام اس بات کو ہم سے زیادہ سمجھتے تھے چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں بخاری شریف کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اہل یمامہ کے قتل کے ایام میں مجھ کو بلا بھیجا۔میں آپکی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ بیٹھے ہوئے ہیں۔حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا کہ عمر بن الخطابؓ میرے پاس آئے اور کہا کہ یمامہ کی لڑائی میں بہت سے قاری شہید ہوئے ہیں اور مجھ کو خوف ہے کہ اگر اسی طرح مختلف مقامات میں قاری شہید ہوئے تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا پس یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں۔میں نے عمرؓ کی یہ بات سن کر کہا یہ کام خدا کی قسم بہتر ہے۔پس عمر اس مسئلہ میں مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔یہاں تک خدا تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا یعنی اس رائے کے صحیح ہونے کا مجھ کو خدا کی طرف سے یقین ہو گیا اور جو مصلحت عمر نے اس میں دیکھی تھی مجھ کو اس مصلحت کا علم ہو گیا۔

زید بن ثابت کہتے ہیں کہ اس کے بعد ابوبکرؓ نے کہا (زید) تم ایک مرد جوان ہو۔عقلمند ہو۔تم پر کوئی تہمت (جھوٹ وغیرہ کی) نہیں لگائی گئی اور تم رسول اللہ ﷺ کی وحی کے کاتب تھے۔پس تم تلاش کرو قرآن کو اور جمع کرو اس کو۔زید بن ثابتؓ کہتے ہیں خدا کی قسم ہے اگر حضرت ابوبکرؓ مجھ کو کسی پہاڑ کے اُٹھانے کی خدمت سپرد کرتے تو یہ خدمت میرے لیے آسان تھی اس خدمت سے جو انہوں نے قرآن کو جمع کرنے کی میرے ذمہ لگائی تھی۔زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ کا حکم سن کر عرض کیا تم کیونکر اس کام کو کرو گے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ابوبکرؓ نے کہا یہ کام خدا کی قسم بہتر ہے۔پس ابوبکرؓ مجھ سے برابر اس معاملہ میں گفتگو فرماتے رہے یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس چیز کے لیے کھول دیا جس چیز کے لیے حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ کے سینوں کو کھولا تھا۔یعنی مجھ کو بھی جمع قرآن کی مصلحت کا علم ہو گیا۔پس تلاش کیا میں نے قرآن کو اس طرح کہ جمع کرتا تھا میں اس کو کھجور کے پتوں یا شاخوں سے اور سفید پتھروں سے اور لوگوں یعنی حافظوں اور قاریوں کے سینوں سے یہاں تک کہ پایا میں نے

سورۂ توبہ کے آخری حصہ کو ابوخزیمہ انصاری کے پاس اور یہ حصہ ان کے سوا اور کسی شخص کے پاس مجھ کو نہیں ملا۔اور وہ آیت ہے **لقد جاء کم رسول من انفسکم** آخر سورۂ برأت تک پس یہ مرتب کیے ہوئے صحیفے حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہے ان کی زندگی تک اور اسکے بعد حضرت عمرؓ کی بیٹی حفصہؓ کے پاس رہے۔

اس کے بعد صاحب مشکوٰۃ نے ایک اور حدیث بخاری شریف کے حوالہ سے نقل کی جو اس طرح ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حذیفہ بن یمانؓ حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس زمانہ میں حضرت عثمانؓ شام وعراق کے مجاہدوں کے لیے جو آرمینیہ اور آذربائیجان کی جنگوں کے لیے تیار ہو رہے تھے۔سامان جہاد فراہم ودرست کرنے میں مشغول تھے حذیفہ بن یمان کو لوگوں کے اس اختلاف نے جو وہ قرآن مجید کی قرأت کے متعلق کرتے رہتے تھے اضطراب وخوف میں مبتلا کر دیا تھا۔حذیفہ نے حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس مسئلہ کو چھیڑا اور کہا امیر المؤمنین امت کا مسئلہ تدارک کیجیے اس سے پہلے کہ وہ کتاب اللہ کے اندر اختلاف کریں جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے اختلاف کیا تھا۔یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیجا اور کہلایا کہ وہ ان صحیفوں کو (جن کو حضرت ابوبکر نے مرتب کرایا تھا) ہمارے پاس بھیجدین ہم ان کی نقل لے کر تم کو واپس کر دیں گے۔چنانچہ وہ صحیفے حضرت حفصہؓ نے حضرت عثمان کے پاس بھیجدیے۔حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن عاصؓ اور عبداللہ بن حارث، ابن ہشام کو حکم دیا کہ وہ ان صحیفوں کو نقل کریں۔چنانچہ انہوں نے صحیفوں کی نقل کی۔حضرت عثمانؓ زید بن ثابت کے سوا کہ وہ انصار میں سے تھے تینوں قریشیوں کو حکم دیا کہ اگر قرآن میں کسی جگہ یعنی کسی لغت میں تمھارے اور زید بن ثابتؓ کے درمیان اختلاف واقع ہو تو قریش کی زبان کے موافق اس لغت کو لکھو اس لیے کہ قریش ہی کی زبان میں اترا ہے۔چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب وہ صحیفہ نقل ہو چکا اور اس کی متعدد نقلیں کی جا چکیں تو عثمانؓ نے حفصہؓ کو ان کے پاس واپس بھیجدیا اور اپنے مرتب کیے ہوئے صحیفے تمام اطراف میں بھیجدیے اور حکم جاری کر دیا کہ ان صحیفوں کے سوا اور جو مصحف یا صحیفہ پایا

جائے اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ خارجہ بن زید ابن ثابتؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس وقت ہم صحیفوں کو نقل کرنے بیٹھے تو ایک آیت سورۂ احزاب کی مجھ کو نہ ملی جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے سنا ہے۔ پس تلاش کیا ہم نے اس کو اور وہ آیت ہم کو حزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس ملی اور وہ آیت یہ ہے **من المومنین رجال صدقوا ما عاھدو اللہ علیہ** پس شامل کر دیا ہم نے اس آیت کو اس سورۃ میں صحیفوں کے اندر (بخاری) اللہ پاک قرآن کریم کے سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۸۲ میں فرماتا ہے **یاایھا الذین آمنو اذاتداینتم بدین الیٰ اجلٍ مسمیً فاکتبوہ** ۔ (ترجمہ) اے ایمان والو! جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد متعین کے لیے تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی رحیم و کریم ہے کہ وہ بندوں کا معمولی نقصان بھی پسند نہیں کرتا ہے اور طے شدہ معاملات کو لکھنے کا حکم دیتا ہے۔ کہ آدمی بشر ہونے کی صورت میں کبھی بات کو بھول جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات اور مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ اسلام میں لکھنے کی زبردست اہمیت ہے اور یہ اس دور کی بات ہے جب لکھنے پڑھنے کا کوئی خاص رواج نہیں تھا چنانچہ صحابہ کرام کا قول نقل کیا گیا ہے کہ **انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب** (ہم بے پڑھے لوگ ہیں لکھنا پڑھنا اور زیادہ حساب دانی کا علم نہیں رکھتے۔ لیکن اسلام نے انہیں اسی پر قناعت کرنے کا مشورہ نہیں دیا بلکہ حکم دیا کیا لکھو اور پڑھو اور اس کو رواج دو۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے **خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ**' (ترجمہ) تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔

عصر حاضر میں لکھنے پڑھنے اور تحریر اور تصنیف کی ضرورت اس لیے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر آج کا انسان اپنے اور سماج کے لیے ایک بوجھ ہے۔

انسانی آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ انسانی ضرورتیں بھی بڑھ جاتی ہیں چنانچہ انسانوں کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس ضرورت سے متعلق امور کو لکھا جاتا ہے اور کتابوں میں قلمبند کیا جاتا ہے۔ تاریخ کے کسی دور میں بھی اتنی کثیر تعداد میں مختلف علوم وفنون کے متعلق کتابیں نہیں ملتی ہیں جتنی تعداد میں آجکل پائی جاتی ہیں۔ پرانی کتابوں کی دوبارہ اشاعت کے ساتھ ساتھ نئی کتابوں کی اتنی بہتات ہے کہ آدمی پریشان ہو جاتا ہے کہ کیا پڑھوں اور کیا نہ

پڑھوں۔ انسان کی عمر بھی بہت ہی مختصر ہے اور ظاہر ہے کہ ہر انسان اس مختصر عمر میں ان سب علوم کا احاطہ نہیں کر سکتا ہے جن کا دائرہ اس کے اردگرد ایک جال کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ نہ ہی ایک انسان کے پاس اس وقت اتنی فرصت ہے کہ وہ یکسوئی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت مطالعہ میں گذار سکے لیکن دوسری طرف سے مطالعہ کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں۔ ایسے پر پیچ حالات میں حضرات علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ چونکہ انہوں نے اپنی عمر ہی علم وادب کی وادیوں میں خرچ کی ہوتی ہیں وہ ان علوم کا مختصر خلاصہ آسان اور عام فہم انداز میں خدا کے بندوں کے سامنے فراہم کریں۔ تاکہ وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ علمی استفادہ کریں۔ موجودہ دور میں چار باتوں کا سب سے زیادہ زور ہے ۱ تحریر کا ۲ تقریر کا ۳ تعمیر کا ۴ تصویر کا۔ اسلام نے تحریر کی اہمیت بیان کی اور ساتھ ہی ساتھ تقریر کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا چنانچہ مشکوٰۃ میں بخاری شریف کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ دو شخص مشرق کی جانب سے آئے اور خوب فصاحت و بلاغت سے گفتگو کی۔ لوگ ان کی تقریر و بیان کو سن کر ششدر و حیران رہ گئے رسول اللہؐ نے فرمایا بعض بیان سحر کا (اثر) رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر اپنی تقریر میں بعض حکمت بھرے اشعار بھی پڑھے جائیں تو اس سے بھی بیان پُر مزہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے بعض شعر حکمت ہوتا ہے۔ حضرت عمر بن شرید ؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے (یعنی آپ کی سواری پر) سوار ہوا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا تجھ کو امیہ بن ابی الصلت کے کچھ اشعار یاد ہیں۔ میں نے عرض کیا ہاں، آپ نے فرمایا ہاں سناؤ۔ میں نے ایک شعر سنایا۔ آپؐ نے فرمایا اور سناؤ۔ میں نے پھر ایک شعر پڑھا۔ آپ نے فرمایا اور سناؤ۔ اسی طرح میں نے ایک سو شعر سنائے (دیکھو مشکوٰۃ باب البیان والشعر)۔ اسی طرح مشکوٰۃ شریف کی حدیث نمبر ۴۵۸۴ میں حضرت کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا خداوند تعالیٰ نے شعر کے متعلق جو حکم نازل فرمایا ہے ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مؤمن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم کافروں کو شعر سے اسی طرح مارتے ہو جس طرح تیروں سے۔ دراصل اسلام میں اس شاعری اور شعر کی مذمت آئی ہے جس میں

مذموم اشعار کہے جائیں۔جیسا کہ دور جاہلیت کی شاعری میں یہ عیب پایا جاتا تھا کہ زبان وادب پر کافی عبور رکھنے کے باوجود جو مضمون بیان کیا جاتا تھا اس میں اخلاقی قدروں کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ان ہی ضرورتوں کے پیش نظر رسالہ راہِ نجات کا اجراء کیا گیا تا کہ اہل علم واہل قلم آگے بڑھ کر اپنے علم وقلم سے عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دیگر انسانوں کو بھی دعوت دیں۔اور نشر و اشاعت کے جن شعبوں کو دین مخالف اپنے ذاتی اغراض کے لیے استعمال کرتے ہیں ان کو خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے اور دینی اغراض کے لیے استعمال کیا جائے تا کہ لوگ اصل حقائق سے آگاہ ہو جائیں اور راہ مستقیم پائیں۔چنانچہ مجلس علمی کا قیام بھی اسی سلسلے کی ایک اہم اور بنیادی کڑی ہے کیونکہ اتنا بڑا کام ایک فرد واحد سے انجام نہیں پاسکتا اسکے لیے ایک اکادمی (acedemy) کی ضرورت ہے جس سے ایک طرف ہمارے نوجوانوں کے اذہان صحیح سمت کی طرف گامزن کیے جائیں اور دوسری طرف ان کے پاس ایسا تحریری مواد کا ذخیرہ جمع ہو جائے جس سے وہ وقت ضرورت اپنے لیے مشعل راہ بنائیں اور بار بار اس کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے رہیں۔آج دنیا کے اندر جو سب سے بڑی جنگ ہے وہ نظریاتی جنگ ہے جو سرحدوں پر نہیں لڑی جاتی ہے بلکہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات اور انٹرنیٹ کے ذریعے لڑی جاتی ہے۔مغرب میں کارل مارکس کی کتابیں انقلاب کا باعث بنیں۔عوام کا ذہن کسی طرف منتقل کرنے کے لیے اخبارات جلتی پر تیل کی طرح کام کرتے ہیں۔ایسے حالات میں وقت کی اس اہم ضرورت کے پیش نظر حضرات علماء پر فرض بن جاتا ہے کہ وہ آگے آئیں اور انسانی ذہن نے خدا کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں سے جو شاندار ایجادات کی ہیں ان سے فائدہ اٹھا کر دین حق کو خدا کے بندوں تک پہنچا دیں۔نئی نسل کو دینی کتابوں کے مطالعہ کیطرف راغب کریں اور ان کو بتائیں کہ کتابوں کے اس سمندر میں کون سی کتاب سے ان کے درد کا مداوا ہوسکتا ہے۔دین کے بڑے بڑے داعیوں نے ہمیشہ لسانی دعوت کے ساتھ ساتھ تحریر کی طرف بھی زبردست دلچسپی دکھائی ہے۔چنانچہ ماضی قریب میں حضرت مولانا الیاسؒ کے فرزند ارجمند اور رئیس التبلیغ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے اپنی گوناگوں دعوتی مصروفیات کے باوجود ایسی گرانقدر کتابیں لکھیں جنہوں نے علمی حلقوں میں کافی مقبولیت حاصل کیں۔مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک

خانقاہی بزرگ ہونے کے باوجود اپنے دست مبارک سے اتنی کتابیں لکھیں جن کی تعداد ہزار سے بھی زیادہ ہے۔مولانا الیاس صاحبؒ باوجود ایک عظیم داعی ہونے کے تمنا ظاہر کرتے تھے کہ اب خوب لکھا جائے کیونکہ پہلے تبلیغی تحریک کس مپرسی کی حالت میں تھی اب حالات میں تبدیلی آنے کے بعد بھی سابقہ زمانے کی طرح سے قلم سے بے اعتنائی کرنا مناسب نہیں ہے۔خلاصہ سارے مضمون کا یہ ہے کہ آج کا زمانہ تحریر وتقریر کا ہے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دونوں شعبوں میں جان پیدا کریں اور ایسے مصنف اور مبلغ تیار کریں جو ہر فن مولا ہوں اور دنیا کے سامنے حقانیت اسلام پر مظبوط دلائل پیش کرنے پر قادر ہوں۔اگر ہم نے اس معاملے میں تغافل سے کام لیا تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ نہ ہی انسانیت صحیح راہ گامزن ہوجائے گی اور نہ ہی ہماری نئی نسل ہمارے قابو میں رہے گی۔ہم داعی نہیں بلکہ مدعو بن جائیں گے۔اگر ہماری صلاحتیں تعمیر وتصویر پر ہی صرف ہوئیں تو یہ بے جان چیزیں نہ صرف یہ کہ ہماری صلاحیتوں کو مفلوج کریں گی بلکہ خدا کے ایسے عذابات کے آنے کا اندیشہ ہے کہ کہیں پوری دنیا ان تعمیروں کے نیچے ہی نہ دب کر رہ جائے جیسا کہ حالات و واقعات اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کوئی مہینہ ایسا نہیں گذرتا ہے جس میں زلزلوں طوفانوں اور سیلابوں کی اطلاع نہ آرہی ہو۔

مقالہ نمبر۲

[از مولوی غلام محمد پرے صاحب لاوے پورہ سرینگر]

تحریر وتصنیف کا فن نہایت قدیم ہے اور ہر دور کی ضرورت رہی ہے۔صحیح ابن حبان میں ایک روایت کے مطابق سب سے پہلے قلم کا استعمال حضرت ادریسؑ نے کیا ہے۔امام ترمذی نے ایک ارشاد رسول ﷺ نقل کیا جس میں ''اول ماخلق اللہ قلم'' فرمایا گیا ہے۔

قران شریف کے سورہ علق میں بھی تحریر وتصنیف کا اشارہ پایا جاتا ہے۔اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تحریریں قلم ہی سے وجود میں آتی ہیں۔

ہماری قدیم تاریخ گواہ ہے کہ حالات کے اعتبار سے تحریر وتصنیف کا فن ترقی کرتا گیا۔اہل اسلام کا روز اول سے ہی تصنیف وتالیف کا جو رول رہا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے،تدوین قرآن ،تدوین حدیث یا تدوین فقہ کے سلسلے میں ہمارے اسلاف صالحین کی جو زبردست کوششیں ہیں پورا عالم اس کا ثنا خواں ہے معروف مستشرق ڈاکٹر اسپنگر کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے لاکھ لوگوں کی biography سوانح مرتب کی ہے۔اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ حافظ ذہبیؒ،حافظ ابن حجر عسقلانیؒ،حافظ بدرالدین عینیؒ اور خطیب بغدادیؒ جیسے اساطین علم نے حدیث وتاریخ پر اپنے سیال قلموں سے دفاتر کے دفاتر دنیا کے سامنے پیش کیے۔قدماء میں محمد بن ندیمؒ متوفی ۳۸۵ھ نے الفہرست نام کی ایک کتاب لکھی ہے جس میں مصنفین ومؤلفین کے ساتھ ساتھ ان کے مصنفات ومؤلفات کا بسیط تذکرہ کیا ہے۔ملا کاتب چلپیؒ المعروف بہ حاجی خلیفہ نے بے شمار کتب خانوں کو کنگھالا۔اور ایک بہت ہی قیمتی کتاب ''کشف الظنون عن اسمی الکتب والفنون'' ترتیب دی۔جس میں مصنفین ومؤلفین کے احوال بقیدیش وفات اور ان کی مصنفات ومؤلفات کا شاندار الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔علماء نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے اور دفتر کے دفتر سامنے رکھے ہیں۔

علوم عقلیہ اور نقلیہ میں ہمارے اسلاف نے قابل فخر کام انجام دیا ہے بوعلی سیناؒ کی ''القانون فی الطب'' آج بھی یورپی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے عصر حاضر میں ماضی قریب تک جو علمی سرمایہ

تحریر وتصنیف کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے اسکے لیے تین معروف کتابوں کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔خیر الدین زرکلیؒ کی کتاب ''الاعلام'' تصنیف وتالیف کے فن میں لکھی گئی کتابوں میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے عمر رضا کحالہؒ کی کتاب ''معجم المؤلفین'' ہزاروں علماء قدیم وجدید کی تصنیفات پر ایک وثیقہ کی حیثیت سے ہمارے سامنے ہے۔**ایضاح المکنون'' بذیل کشف الظنون''** بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔مولانا عبدالحی کی ''نزھۃ الخواطر'' اور مولانا محمود حسن ٹونکیؒ کی ''**معجم المؤلفین**'' بھی ہمارے علمی سرمائے کی فہرست میں اہم مقام رکھتی ہے۔

عصر حاضر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آج علم کا بم پھٹ گیا ہے جسے زیادہ صحیح الفاظ میں knowledge explosion کہنا مناسب ہوگا۔اختلاف کے حق کے پیش نظر راقم الحروف یہ کہہ سکتا ہے کہ بیشتر مواد آج کی تصنیفات میں غیر معیاری نظر آتا ہے۔بلاشبہ آج بھی کئی مصنفین کے قلم میں قوت استدلال،تحقیق وتفحص کی فراوانی دیکھنے میں آتی ہے۔

ماضی قریب میں مرحوم ومغفور مولانا علی میاں ندویؒ نے جو مدلل اور سبق آموز کتاب ''**ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین**''لکھی ہے جس سے مصر کے قدآور مفسر اور شہادت پر فائز ہونے والے سید قطب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔جس میں امت کی بدحالی کا تذکرہ ہے۔

Electronic media کو قطع نظر کر کے آج print media کی حکمرانی نظر آتی ہے۔سنجیدہ علماء اور ارباب فکر ونظر کی تصنیفات وتالیفات میں آج بھی کشش اور امت مسلمہ کے لیے ان کے بین السطور ایک درد پوشیدہ ہے۔حکیم الامت کا یہ درد بھرا تبصرہ ہمیں سوچنے پر مجبور کرتا ہے ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

عصر حاضر کے ایک عالم دین سے پوچھا گیا کہ آج کے اس افتراق امت کی اصل وجہ کیا ہے تو انہوں نے دلی احساسات کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ گذشتہ سوڈیڑھ سو سال کا مناظرانہ لٹریچر اس کے لیے ذمہ دار ہے۔میں ذاتی طور پر یہ محسوس کرتا ہوں اصل اسلام کے لیے تگ ودو کے بجائے تمام تر جدوجہد تنظیمی اسلامک کے لیے کی جارہی ہے۔تلخ لب ولہجہ کے لیے ارباب تصنیف سے میں معذرت خواہ

ہوں۔

علماء اسکالرس ،ارباب فکر سے ہمیں یہی توقع ہے کہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر مسلمانوں میں عالمی سطح پر پستی اور ادبار سے نکلنے کی راہیں تلاش کریں اور اس کا ایک بڑا ذریعہ تصنیف و تالیف ہے۔تقویٰ کے زمانے میں کتابیں سالوں کاتب کے پاس پڑی رہتی تھیں اور proof reading کے مرحلے سے گذر کر یا تو چھپ جاتی تھیں یا مخطوطے کی شکل میں ارباب تحقیق کے لیے کتب خانوں کی زینت بن جاتی تھیں۔آج ایک المیہ یہ بھی ہے کہ کمپیوٹر کی تیز رفتار پرنٹنگ نے اشاعت کتب کا کام نہایت آسان کر دیا لیکن بلا خوف تردید میں کہوں گا کہ غلطیوں کی بھرماران کتابوں میں ہوتی ہے مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ کئی ادارے عصر حاضر میں بھی بڑے احتیاط سے کام لے رہے ہیں۔آج کل مصنفین کی مشروم گروتھ ہے چونکہ آج وسائل و ذرائع کی کمی نہیں اسلیے ہر ایک اس فن میں طبع آزمائی کرنا چاہتا ہے۔ہمارے علماء کی ذمہ داری ہے کہ برمحل ان چیزوں کی اصلاح فرماویں اور قدیم علماء کے طرز پر تحقیق کا میعار قائم کیا جائے **یحمل ھٰذ العلم من کل خلف عدولہ ینفون عند تحریف الغالین و انتھال المبطین وتاویل الجاھلین** (بیہقی) ارشاد رسول ﷺ ہے امام مالک نے اپنی موطا میں ایک حدیث نکل کی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا **بعثت لاتمم حسن الاخلاق وفی روایۃ مکارم الاخلاق** (مؤطا) سب سے بڑی ضرورت جو یہ حقیر محسوس کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اصحاب تصنیف سیرت رسولؐ پر زیادہ لکھیں۔اور سیرت کے مختلف گوشے ہیں۔علامہ شبلیؒ ندوی کی تالیف کردہ سیرت مبارکہ میں ان گوشوں پر سیر حاصل بحث ہے۔تہذیبی جارحیت سے اپنی تمامتر تفصیلات کے ساتھ مرعوب جدید دور کے انسانوں کو بالعموم اور اہل اسلام کو بالخصوص ''محمد الرسول اللہ'' کی ذات اور صفات اور دوسرے الفاظ میں مشن سے روشناس کرایا جائے۔آخر میں ان گذارشات کو اس ارشاد رسول ﷺ پر ختم کرنا چاہتا ہوں جس میں فرمایا گیا ہے کہ **ان العلماء و رثۃ الانبیاء و ان الانبیاء لم یورثود ینا راً و لا درھما بل یو رثو العلم فمن اخذہٗ اخذ بحظ و وافر** (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) مشکل کچھ بھی نہیں ؎

خدا سے مت کہو مشکلیں بڑی ہیں
مشکلوں سے کہو میرا خدا بڑا ہے

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مقالہ نمبر۳

از ڈاکٹر شکیل شفائی

[ایڈیٹر ہفت روزہ ترغیب سرینگر]

تحریر و تصنیف کا عمل انسانی فکر و نظر کی ترسیل و تبلیغ میں ایک اہم ترین وسیلہ اور سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔ابتدائے آفرینش سے ہی انسان نے تحریر کے ذریعے اپنے خیالات کو دوسرے ہم جنسوں تک پہنچانے کی سعی کی ہے۔اگرچہ مافی الضمیر کی ادائیگی پہلے صورو اشکال کے ذریعے ہوتی رہی ،لیکن بہت جلد حروف نے ان کی جگہ لی اور پھر لکھنے پڑھنے کا وہ طویل سلسلہ چل پڑا جو آج کے دور تک ممتد ہے اور مستقبل پر بھی سایہ فگن ہو رہا ہے۔

تحریر و تصنیف کا کام پہلے پہلے بہت سست رفتاری کے ساتھ جاری رہا۔دراصل اُس زمانے میں ایسے وسائل اور ذرائع دستیاب نہ تھے جن کی مدد سے تحریری کام میں سرعت لائی جاتی ،اسی لیے اس زمانے میں زیادہ تر حفظ و یاداشت پر لوگوں کا انحصار رہا؛ لیکن پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت کے بعد علمی دنیا میں وہ انقلاب پیدا ہوا جس کا عروج climax آج ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔قرآن کریم نے اپنا تعارف بحیثیت ایک کتاب کے دیا۔لفظ کتاب کے بارے میں قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ نے اپنے قرآنی لغت قاموس القرآن میں لکھا ہے: کتاب: لکھنا ،لکھا ہوا خط ،مضمون ،نامہ اعمال ،صحیفہ ٔ آسمانی (پہلے معنی میں مصدر اور دوسرے معنی میں فعال بمعنی مفعول۔جمع کتب) ا معلوم ہوا کہ لفظ کتاب ''مکتوب کے معنیٰ دیتا ہے یعنی لکھا ہوا۔اسی لیے رسول محترم ﷺ نے نزول قرآن کے ابتداء ہی سے قرآن کو تحریری قالب میں ڈالنے کا اہتمام فرمایا۔

قرآن کی پہلی آیت ہی نے قلم کا طاقتور تصور پیش کیا وہ بھی ایک ایسے معاشرے میں جہاں دور دور تک کوئی پڑھا لکھا نظر نہ آتا تھا۔یہ قوم معدودے چند آدمیوں کو چھوڑ کر، مجموعی طور پر پڑھنے لکھنے سے بالکل عاری تھی۔اس کا سارا سرمایہ اس کی یاداشتیں تھیں عرب میں کاغذ ہی نایاب تھا تحریر کا کام کہاں سے ہوتا۔لیکن قرآن نے ''قلم'' کا لفظ اپنی پوری قوت ،توانائی اور بے حد وشمار

امکانات کے ساتھ کچھ اس طرح استعمال کیا کہ قلم ہی آنے والے وقت میں اس امت کی شناخت قرار پایا۔ بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے قلم کو اتنا تقدس بخشا کہ سب سے پہلی مخلوق جو عالم کون ومکان کے سلسلہ ہائے دراز میں اپنا وجود پاتی ہے قلم ہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"اول ما خلق القلم فأمره ان يكتب ما هو كائن الىٰ يوم القيامة"

(ترجمہ) سب سے پہلی چیز قلم پیدا کی گئی پھر اللہ نے اسے حکم دیا کہ قیامت تک جو کچھ پیش آنے والا ہے اسے لکھ۔[۲]

قلم انسانیت کا خطیب بھی ہے، واعظ بھی ہے اور طبیب بھی ہے۔ قلم کے ذریعے سے کتابت انسان کے لیے فخر وشرف کی بات ہے۔ قلم نے علوم کو بقا بخشا، اگر قلم نہ ہوتا تو علوم صفحہ ہستی سے ہی معدوم ہو گئے ہوتے۔ خلف کے پاس سلف کے علوم ومعارف نہ پہنچتے۔ سعید بن عاص نے کیا خوب کہا ہے:

من لم يكتب فيمينهٔ يسرى

(ترجمہ) جو لکھتا نہیں اس کا داہنا ہاتھ تکلیف میں مبتلا ہوگا۔

معن بن زائده کہتے ہیں:

اذا لم تكتب اليد فهى رجل

(ترجمہ) اگر ہاتھ نہ لکھے تو پھر وہ پاؤں ہے۔

تصور قلم کی اس عظمت نے تحریر وتصنیف کا وہ دور بعثت محمدی ﷺ کے بعد شروع کیا جو اپنی مثال آپ تھا۔ یہ وہ دور تھا جس میں کتاب کی عظمت قلوب کے اندر موجزن تھی۔ مسلمانوں کے کتب خانے آباد تھے گھر گھر علم ودانش کے چرچے تھے۔ کتاب نے ہر دور میں تعلیم وتربیت کا حق ادا کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی ہیئت ہمیشہ ایک جیسی نہ رہی ہو۔ ایک عہد سے دوسرے عہد تک، ایک دماغ سے دوسرے دماغ تک علم کو منتقل کرنے کے لیے انسان نے تحریر کا سہارا لیا۔ کبھی پتھروں پر نشان بنائے، کبھی پیڑوں کی چھال استعمال کی کبھی چمڑا کام میں لایا کبھی کپڑوں نے انسان کی مدد کی۔ انسانی ذہن کی ترقی کے ساتھ ساتھ طریقے بھی بدلتے ہے۔ کاغذ ایجاد ہوا تو وہ چیز وجود میں آئی جس کو کتاب کہتے ہیں۔[۵]

کتاب واحد ذریعہ ہے جس سے علم کی تحصیل ہوتی ہے علم دوست انسان علم کے سوا دوسری کوئی گفتگو کبھی پسند نہیں کرتا۔ وہ کتابوں کو نظر کے سامنے رکھتا ہے۔ کتاب کو ہی اپنا رفیق وہمدم بناتا ہے۔

کسی باذوق اور صاحب علم کا قول ہے کہ عمدہ کتاب حیات ہی نہیں بلکہ ایک لافانی چیز ہے اور یہ خود ہی لافانی نہیں بلکہ اپنے مصنف کو بھی لافانی بنا دیتی ہے۔ اور کبھی کبھی تو اس کا قاری بھی لافانی ہو جاتا ہے۔ عمدہ کتابوں کے عمدہ اثرات انسانی فکر ونظر اور طبیعت واخلاق پر مرتب ہوتے ہیں۔ خیالات میں عظیم تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کتاب ہی نے ملکوں اور قوموں کی کایا پلٹ دی ہے۔

کتاب معلومات کا خزانہ ہوتی ہے۔ تھوڑی سی وقت میں پوری دنیا کا علم سمیٹ کر سامنے کر دیتی ہے۔۔ کتاب اپنے اندر ایک مکمل دنیا ہوتی ہے۔ اس میں آپ ماضی کی شخصیات سے ملاقات کرتے ہیں، ان کی صحبت اٹھاتے ہیں، ان سے استفادہ کرتے ہیں، ان کے علوم حاصل کرتے ہیں، یہ آپ کو ماضی کی طرز معاشرت، سماج، رہن سہن، وضع قطع، رسوم وعادات، ایک ایک چیز کا ذہنی مشاہدہ کرواتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے آپ بھول جاتے ہیں کہ آپ کہاں ہیں؟ زمان ومکان کی قید اُٹھ جاتی ہے۔

علامہ مسعودیؒ نے کتاب کی قدر وقیمت کی فصیح وبلیغ اور جامع تعریف کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اے میری کتابو! تم میری جلیس وانیس ہو، تمھارے ظریفانہ کلام سے نشاط اور تمھاری ناصحانہ باتوں سے تفکر پیدا ہوتا ہے۔ تم پچھلوں اور اگلوں کو ایک عالم میں جمع کر دیتی ہو۔ تمھارے منہ میں زبان نہیں لیکن تم زندوں اور مردوں کے افسانے سناتی ہو۔ تم ہمسایہ ہو لیکن ظلم نہیں کرتیں۔ عزیز ہو لیکن غیبت نہیں کرتیں، دوست ہو لیکن مصیبت میں ساتھ نہیں چھوڑتیں۔[۶]

حضرت ہشام کہتے ہیں کہ میرے والد عروہؓ کی کتابیں یوم حرہ میں جل گئی تھیں۔ بعد میں حضرت ہشامؒ کے والد برابر فرمایا کرتے تھے۔

"کاش اہل وعیال، مال ودولت کی جگہ میرے پاس میری کتابیں رہ گئی ہوتیں"

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں:

''ہمارے پاس کتابیں ہیں، جنہیں ہم برابر دیکھا کرتے ہیں''

ایک شاعر نے یہاں تک کہہ دیا:

''فمحبوبی من الدنیا کتابی''

''دنیا میں میری محبوب ترین چیز کتاب ہے''

مست ہو کر دیکھتے ہیں طالبان معرفت
بادۂ اسرار کا لبریز ساغر ہے کتاب ؎

عصر حاضر تصنیف وتالیف

کتاب نے ہر زمانے میں انسانی فکر ونظر پر گہرے اثرات چھوڑے چاہے یہ اثرات مثبت تھے یا منفی۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مغربی دنیا میں جو انقلابات رونما ہوئے ان کے پس پشت کوئی نہ کوئی کتاب موجود تھی۔ انسان کی پیدائش اور ابتداء کے بارے میں مغربی دنیا میں جو ایک نیا نظریہ ''ارتقا'' کے نام سے رائج ہوا جو علمی سطح پر ناکام ہونے کے باوجود آج بھی مغربی معاشرہ کیا دنیا کے ہر معاشرے میں اپنی جڑیں مضبوطی سے پیوست رکھے ہوئے ہے اس کے پیچھے ڈارون کی کتاب origin of species تھی۔ کمیونزم کے نام سے ایک طاقتور تحریک پیدا ہوئی جس نے دنیا بھر کے لاکھوں کروڑوں انسانوں پر اپنے گہرے اثرات چھوڑے یہاں تک کہ اس نظریے کی بنیاد پر روس میں ایک مستقل ریاست وجود میں آئی اسکے پیچھے کارل مارکس کی Das Capital تھی۔ مغرب کا مکمل طور پر الحاد کی آغوش میں گر پڑنے کا غیر محمود کارنامہ بھی کتابوں کے ذریعے ہی وجود میں آیا۔ اس سلسلے میں Shelley کا رسالہ The necessity of Aatheism، الن واٹ (Allan Watt) کی کتاب The nature of conciousnece، رسل (Russel) کی Does God exist?، سٹفن ہاکنگ (Stephen Hawking) کی Grand design پیش کی جاسکتی ہیں۔ طبعیات کی دنیا میں بھی انقلاب کتابوں کے ذریعے آیا جنہوں نے بعد میں ایٹم بم اور دیگر مہلک ہتھیاروں کے لیے راستے کھول دیے۔ اس سلسلے میں حکیم آئن سٹائن کی کتابیں، The evolution,

"Relativity the special &the general theory"
,"Ideas and opinions of physics",
"The world as I see it" کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

عصر حاضر انفارمیشن ٹکنالوجی کا زمانہ کہلاتا ہے لیکن کتاب اور تحریر وتصنیف کی اہمیت آج بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔ آج بھی قوموں کے عروج وزوال کا تصنیف وتالیف سے گہرا رشتہ ہے۔ آج بھی لاکھوں کی تعداد میں کتابیں لکھی اور شائع کی جاتی ہیں۔ آج بھی انسان کا نظام فکر وعمل کتابوں کے اثرات ونقوش قبول کرتا ہے۔ مغرب میں ٹکنالوجی کہکشاوں کو چھو رہی ہے لیکن مغربی نظام فکر وعمل کا پورا تانا بانا وہاں کے مصنفین کی تحریرات وتصنیفات کا مرہون منت ہے۔ مغربی ممالک پوری دنیا کے متعلق جس قسم کی بھی سیاسی، معاشی، حربی، معاشرتی، تعلیمی پالیسی وضع کرتے ہیں اس کے پس منظر میں وہ طاقتور کتابیں ہوتی ہیں جن کو مغربی مفکرین Western Braintrust تصنیف کرتے ہیں۔

مغربی ممالک نے مسلم ممالک، تہذیب، کلچر، تمدن، سیاست وغیرہ پر جس مثبت ومنفی رویّے یا ردعمل کا پچھلی ربع صدی سے اظہار کیا اس کے پیچھے بھی وہ افکار ونظریات ہیں جن کو مختلف کتابوں میں فنی چابکدستی سے پیش کیا گیا تھا۔ ذیل میں ان چند کتابوں کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں جنہوں نے فکر مغرب پر گہرے اثرات مرتب کیے اور جن کی روشنی میں اہل مغرب نے اپنی پالسیاں اور پروٹوکال protocol وضع کیا۔

۱۔ Modernization as Idiology از Micheal E.Lathan: یہ کتاب سرد جنگ کے نئے گوشوں کو روشنی میں لاتی ہے۔ کتاب میں ان سماجی نظریات پر بحث کی گئی ہے جنہوں نے امریکی پالیسی کو کنیڈی دور میں صورت پذیر ہونے میں کلیدی رول ادا کیا۔

۲۔ Sacred Interests از Karine V Wather: اس کتاب میں اسلام کی نسبت امریکہ کی پالیسی پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ انیسویں صدی کی ابتدا ہی میں امریکہ مسلم دنیا سے روشناس ہوا۔ مسلم تمدن، سیاست، مذہبی عقائد نے امریکی سوچ کو مسلمانوں کے تئیں ایک نیا موڑ لینے پر تیار کیا۔ اس میں دکھایا گیا ہے۔ کہ کس طرح منفی نفسیات کے تحت مسلم کش

پالیسی کو امریکی سماج میں رائج کیا گیا۔

۳۔ Capital in the 21st century از Thomas Piketty: یہ ایک فرانسیسی ماہر اقتصادیات ہے۔اس کتاب نے مغربی ذہن پر بے پناہ اثرات چھوڑے۔اس میں 2014ء میں تجارتی معاملات پر گفتگو کی گئی ہے۔

۴۔ The Human Stain از Philop Roth: اس کتاب میں سابق امریکی صدر بل کلنٹن کے جنسی سکینڈل اور سیاسی موقف پر گفتگو کی گئی ہے۔

۵۔ Return of Islam از louis Bernad: یہ دراصل لوئس کا مقالہ ہے۔لوئس مشہور امریکی مستشرق ہیں۔اسلام اور مسلم دنیا اس کی دلچسپی کا خاص موضوع ہے۔اس کتاب سے نہ صرف مسلم دنیا کی اسلامی تحریکات کے موجودہ رجحان اور اس کے بعض عوامل کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ اسلامی دنیا کے مغربی ادراک پر روشنی ڈالنے میں اسے کلیدی اہمیت کا حامل مضمون قرار دیا جاسکتا ہے۔

۶۔ Clash of civilizations از Samuel P. Huntington: ہنٹنگٹن ہارورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔سابق امریکی صدر جمی کارٹر انتظامیہ میں National security Counsil میں سلامتی سے متعلق منصوبہ بندی کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں۔Foreign Policy کے مؤسس اور شریک مدیر رہے ہیں۔ Clash of civilizations دراصل ان کا ایک طویل مضمون ہے جو امریکی رسالے Affiars Foreign کے summer ایشو میں 1993ء میں شائع ہوا۔

ہنٹنگٹن نے اس کتاب میں ایک نئی پیش گوئی کی جو جغرافیائی اور علاقائی بنیادوں سے ہٹ کر تہذیبی بنیاد پر ہوگی اور جو نئی تہذیبیں اس میں نمایاں رول ادا کریں گی ان کی تشکیل میں مذہب کا رول سب سے اہم ہوگا بلکہ تہذیبوں کی شناخت مذہب سے ہوگی۔ہنٹنگٹن نے تہذیبوں کی اپنی تقسیم میں نہ صرف اسلامی تہذیب کا تذکرہ کیا ہے بلکہ مذہب ہی کی بنیاد پر مغرب اور اسلام کے درمیان ایک آویزش اور کش مکش کے برپا ہونے کی پیش گوئی بھی کی ہے۔

۷۔ fred Halliday کی کتاب Islam and the myth of

confrontation: فریڈ ہالی ڈے کا شمار مغرب کے ان مفکرین میں ہوتا جو مغرب اور اسلام کے درمیان تہذیبی تصادم کے مفروضے کو مسترد کرتے ہیں فریڈ ہالی ڈے لندن اسکول آف اکنامکس میں بین الاقوامی تعلقات کے شعبے میں پروفیسر ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ مشرق وسطی یا پوری دنیا مسلم دنیا کو باقی دنیا اور اس کے مسائل سے الگ کر کے نہیں دیکھا جانا چاہیے۔اس لیے اسے کسی اور ایک متحد خطے کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔مشرق وسطی اور پوری مسلم دنیا مختلف معاشروں کا مجموعہ ہے جن میں آپسی اختلاف کے ساتھ ساتھ بعض مماثلتیں بھی پائی جاتی ہیں۔اس کے مطابق مشرقِ وسطی اور مسلم دنیا بھی تیسری دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح ہی معاشی ترقی اور سیاسی تبدیلی جیسے متعدد عالمی سطح کے مسائل سے دوچار ہے۔

۸۔ John L.Esposito کی کتاب The Islamic threat -Myth or reality: جان ایل اسپوزٹو امریکہ کی جارج ٹاون یونیورسٹی میں مذہب اور بین الاقوامی تعلقات کے پروفیسر ہیں۔اسپوزٹو Middle East Studies Association کے سربراہ بھی رہ چکے ہیں

اس کتاب میں اسپوزٹو نے مغربی دانشوروں کے خدشات پر بحث کی ہے۔مثلاً ان کا یہ مفروضہ کہ اسلام اور مغرب تصادم کے راستے پر گامزن ہیں۔اسپوزٹو مغربی دانشوروں کے درمیان گردش کرنے والی اس بحث پر بھی اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ اسلام جارحیت پسند مذہب ہے۔اسپوزٹو کا سب سے زیادہ زور اس بات پر ہے کہ اسلام یا اس کے حوالے سے اسلامی تحریکات یا مسلم دنیا میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کو مغربی دنیا میں خطرہ باور نہیں کیا جانا چاہیے بلکہ اسلامی دنیا یا مسلم سماج میں آنے والی کسی بھی تبدیلی کو ایک چیلنج کے طور پر قبول کیا جانا چاہیے۔۸

یہ وہ کتابیں ہیں جو پچھلے پچیس تیس برسوں میں منصۂ شہود پر آئی ہیں۔مغرب میں کثرت سے پڑھی گئیں اور مغربی فکر و نظر پر اپنا گہرا اثر ڈالنے میں کامیاب رہی ہیں۔

برصغیر ایک نظر میں

برصغیر کی تاریخ میں بڑے بڑے انقلابات تحریر و تصنیف ہی کے ذریعے رونما ہوئے ہیں۔اکبر کے دور الحاد میں اسلامی تعلیمات کو سرزمین ہند کی جڑوں میں دوبارہ پیوست کرنے اور اسلامی

تہذیب کی حفاظت وصیانت کے لیے مجدد الف ثانیؒ نے جو کوششیں صرف کیں وہ مکتوبات امام ربانی کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ ہندی ذہن نے ان مکتوبات کا خاصا اثر قبول کیا ہے۔

برصغیر کی ایک اور اہم ترین شخصیت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اسلامی تعلیمات کی عقلی معنویت، اسلامی تمدن اور ریاست کی آفاقیت اور اسلامی احکام کی حکمت پر تصنیفات کا قابل قدر ذخیرہ چھوڑا جن مین حجۃ اللہ البالغہ ایک منفرد مقام کی حامل ہے۔ اس کتاب اور شاہ صاحب کی دوسری کتابوں نے برصغیر کے نظام فکر وعمل پر اتنے گہرے نقوش ثبت کیے کہ بڑے بڑے مدارس اور علمی تحریکات، جنہوں نے برصغیر کی تاریخ کا رخ موڑ دیا انہی گہرے نقوش کا ثمرہ تھیں۔ سیرت النبی ﷺ پر معرکۃ الآراء کام بھی کتابی شکل میں علامہ شبلیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تحریری وتصنیفی صلاحیتوں کا مظہر ہے۔ مسلمانوں کے ادبار وانحطاط سے عالم انسانیت نے کیا کھویا اس کی علمی اور فکری تاریخ اور تجزیہ پیش کرنے کا فخر بھی ایک کتاب ہی کو حاصل ہے جو ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب نے عربی ذہن پر گہرے اثرات چھوڑے بعد میں اس موضوع پر لکھی جانی والی کتابوں کا یہ نقش اول ثابت ہوئی۔

دنیا بھر کے ممالک میں لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو عمل صالح پر کھڑا کرنے کا کارنامہ بھی ایک کتاب ہی کے حصے میں آیا ہے جو ''فضائل اعمال'' کے نام سے مسجد مسجد اور گھر گھر پڑھی جاتی ہے۔

برصغیر میں شہر شہر گاؤں گاؤں مرد وزن کو دینی تعلیم سے آگاہ کرنے کا فریضہ بھی تحریر وتصنیف ہی کا مرہون منت ہے۔ ''بہشتی زیور'' اس سلسلے کی نمایاں کتاب ہے۔ عہد فرنگ میں بدعات و خرافات کی دلدل سے نکال کر توحید کی سیدھی شاہراہ پر گامزن کرنے، عیسائی میشنریوں کے سادہ لوح مسلمانوں کو مالی لالچ دیکر نصرانی بنانے کی کوششوں پر قدغن لگانے اور دیانند سرسوتی کی شدھی تحریک کے زیر اثر مسلمانوں کو ہندو بنانے کی کاوشوں کو ناکام بنانے کا صد افتخار کارنامہ بھی کتابوں ہی نے انجام دیا۔ یہ کتابیں بالترتیب تقویۃ الایمان (مولانا محمد اسماعیل دہلوی شہیدؒ) اظہار الحق (مولانا رحمۃ اللہ کیروانیؒ) اور حقانیت اسلام (حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ) کے نام سے شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

جب قادیان سے ایک جعلی نبی نے ایک جھوٹی نبوت کا دعوی کر کے ختم نبوت پر ضرب لگانے کی ناکام کوشش کی تو اس فرنگی سازش کو بے نقاب کرنے اور عقیدہ ختم نبوت کو اظہر من الشمس واشگاف کرنے میں علمائے حق نے تحریر وتصنیف کا سہارا لیا۔ اس سلسلے کی اہم کتابیں ''خاتم النبیین'' علامہ انور شاہ کشمیریؒ ''ختم نبوت'' مفتی محمد شفیع عثمانیؒ اور ''ختم نبوت'' مولانا ابوالاعلی مودودیؒ وغیرہ ہیں۔ تحریر وتصنیف کے اثرات اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ کبھی کبھی کتاب خود اپنے مصنف کو تختہ دار کا راستہ دکھاتی ہے۔ مصر کو لیجیے۔ مصر کے ایک نامور ادیب، مصنف، دانشور اور مفسر قرآن سید قطبؒ کو ''معالم فی الطریق'' کی تصنیف پر ہی پھانسی کا پھندا نصیب ہوا۔

سرزمین خلافت کو مغربی تہذیب کے پنجۂ استبداد سے آزاد کر کے پھر سے اسلامی آغوش میں امن وسکون اور ترقی و بہبود عطا کرنے کا سہرا بھی کتابوں کے سر جاتا ہے۔ بھلا شیخ بدیع الزمان نورسیؒ کے ''رسائل نور'' کو کون بھلا سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی انقلابات آئے، حکومتیں بنیں یا بگڑیں، نیکی کو فروغ ملا یا بدی پھیلی، امن کو استحکام ملا یا فساد پھیلا، خیر کا استقبال ہوا یا شر نے قرار پکڑا، حق غالب آیا یا باطل نے آنکھیں دکھائیں۔ خدا پرستی کو عروج ملا یا الحاد نے پر پھیلائے۔ پاکیزگی کی ہوا چلی یا تعفن اخلاق کی باد مسموم ان سب کے پیچھے کوئی نہ کوئی کتاب ضرور تھی۔ اسی سے عصر حاضر میں تصنیف وتالیف اور تحریر وتسوید کی اہمیت نگاہوں میں سما جاتی ہے

مسلمان اہل علم کی ذمہ داریاں

آیئے اب اخیر پر دیکھیں کہ موجودہ زمانے میں تحریر وتصنیف کے حوالے سے مسلمان اہل علم کے کیا فرائض ہیں:

☆ تصنیف وتالیف میں جدید اسلوب اور طرز تحریر اختیار کیا جائے۔

☆ ثانوی مآخذ کے بجائے اصلی مآخذ سے استفادہ کیا جائے۔ یہاں ''ثانوی مآخذ'' اہل مغرب اور ان کے مرعوب مقلدوں کا تصور ثانوی مآخذ مراد نہیں ہے۔ اہل مغرب اور ان کے مرعوب مقلد تو اس مآخذ کو ثانوی بتاتے ہیں جو ان کے مزعومہ افکار سے میل نہیں کھاتے۔ اس سلسلے میں

ان کے تعصب کا یہ حال ہے کہ ابوالفضل کی ''دربار اکبری'' کو اصلی مآخذ اور ملا عبدالقادر بدایونی کی ''منتخب التواریخ'' کو ثانوی مآخذ قرار دیتے ہیں۔ یہاں اصلی مآخذ سے مراد یہ ہے کہ اگر ہم مثلاً کسی کتاب کا کوئی اقتباس دوسری کسی کتاب سے نقل کریں تو یہ کوشش کریں کہ اصلی کتاب کو حاصل کر کے اس اقتباس کا براہ راست مطالعہ کریں تا کہ اس کی صحت کی توثیق ہو سکے۔ قرآن ،حدیث ،فقہ،ادب،تاریخ ،تصوف ،سیاست ،معیشت غرض ہر موضوع کے بارے میں اصلی مآخذ تک رسائی کرنے کی کوشش کریں اور محض نقل ہی پر کلی اعتماد نہ کریں۔

☆ علماء پر لازم ہے کہ وہ انگریزی زبان میں اتنی قابلیت بہم پہنچائیں کہ انگریزی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کر سکیں۔

☆ مسلمان اہل باطل قوتوں اور تحریکوں کی معرفت حاصل کریں اور ان کی کتابوں کے دلائل کو گہرائی سے سمجھ کر ان کا رد لکھنے کی صلاحیت پیدا کریں۔

☆ مسلمان اہل علم متین، باوقار اور سلیس زبان میں اپنا مدعا پیش کریں، منفی اور ردعمل کی قسم کی تحریروں سے اجتناب کریں۔

☆ مسلمان اہل علم اپنے اسلاف سے پوری طرح مربوط رہیں۔ اسلاف کی روح اپنے اندر پیدا کریں۔ اسلامی تعلیمات اور حقانیت پر ان کا ایمان اور ایقان غیر متزلزل ہو۔ ورنہ وہ اسلام کی خدمت بجا کیا لائیں خود غیروں سے متاثر ہو جائیں گے۔

☆ مسلمان اہل علم اپنے اکابر و اسلاف کے علوم کو سادہ اور عصری زبان میں منتقل کرنے کی کوشش انجام دیں۔ غیر ضروری طور پر ہر مسئلے میں خود ہی اجتہاد کرنے کی حماقت نہ کریں۔

☆ مسلمانوں کی ایک معتد بہ تعداد تحریر و تصنیف کے کام سے وابستہ رہے باخصوص جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلمی صلاحیت عطا ہوئی ہے۔

☆ تحریر و تصنیف کے مراکز قائم کیے جائیں اور علماء کی سرپرستی و نگرانی میں یہ کام انجام پائیں۔

☆ جدید موضوعات پر مقالے، کتابیں، مضامین، رسالے، کتابچے لکھنے کے لیے جواں سال مصنفوں کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا جائے۔

بہر حال چند نکات ہیں۔ اہل علم کی طرف سے اور بھی تجاویز آسکتی ہیں۔ اس مختصر تحریر میں

ساری تفصیلات سمائی نہیں جا سکتیں۔ ہاں اگر اس مقالے کے مطالعہ کے بعد کسی شخص کے دل میں حمایت اسلام اور احقاق حق کے لیے تحریر و تصنیف کا داعیہ پیدا ہو تو گویا وہی اس مضمون کی قیمت ہے۔

مآخذ

۱ مولانا زین العابدین۔ قاموس القرآن ص ۴۳۹ دارالاشاعت اردو بازار کراچی۔ ط ۱۹۹۴ء

۲ یہ حدیث متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے جیسے ابن عمرؓ، عبادۃ بن صامتؓ، ابن عباسؓ ابوھریرۃؓ وغیرہ سے مرفوعاً منقول ہے اور ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے موقوفاً مروی ہے۔ اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند (۳۱۷/۵) میں، بخاری نے التاریخ الکبیر (۹۲/۶) اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف (۲۶۴/۷) میں کی ہے اور حدیث جمیع طرف سے صحیح ہے۔

۳ خطبہ شیخ سعود بن ابراہیم الشریم۔ (www.startrimes.com)

۴ ایضاً

۵ مولانا روح اللہ نقشبندی۔ طالب علم کے شب و روز۔ ص ۱۸۴، مکتبہ الحق۔ یوگیشوری

۶ ایضاً

۷ ایضاً

۸ اس حصے کی زیادہ تر معلومات ڈاکٹر محمد ارشد کی کتاب ''مغرب اور بنیاد پرستی'' مطبوعہ البلاغ پبلکیشنز دھلی۔ ط: اول اکتوبر ۲۰۰۳ء سے ماخوذ ہیں۔

مقالہ نمبر ۴

از پروفیسر ڈاکٹر محمد فاروق دیوا شوپیانی
(صدر شعبہ عربی گورنمنٹ ڈگری کالج پلوامہ کشمیر)

علم سب سے بڑی دولت ہے جو فیاض ازل سے انسان کو عطا ہوئی ہے اور انسان اللہ کا شاگرد ہے (**الذی علم بالقلم ہ علم الانسان مالم یعلم ہ**) اس شرف میں انسان فرشتوں سے بھی افضل ہے۔ بقول اقبالؒ ؎

تیرے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھکر ساز فطرت میں نوا کوئی

قرآن پاک میں فضائل علم کی بہت سی آیات وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

"قل ھل یستوی الذین یعلمون و الذین لا یعلمون"

(آپ کہیے کیا علم والے اور بے علم برابر ہوتے ہیں)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

یرفع اللہ الذین آمنو ا منکم و الذین اوتو العلم درجات ہ

(اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بلند فرمائے گا)

علم کی فضیلت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

العلمآء ورثۃ الانبیاء

(علماء انبیاء کے وارث ہیں)

یستغفر للعالم ما فی السمٰوات الارض

(زمین و آسمان کی تمام چیزیں عالم کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہیں)

یوزن یوم القیامۃ مداد العلمآء بدم الشھدآء

(قیامت کے روز علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے تولی جائے گی)

ترمذی شریف کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ ادنیٰ رجل من اصحابی

(عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت کسی ادنیٰ درجے کے صحابی پر)

علم کے لیے بزرگوں کا قول ہے کہ یہ وہ دولت ہے جو خرچ کرنے سے اور بڑھتی ہے۔ بڑھانا تو علم کی اشاعت اور پھیلاؤ ہے اور تعلیم و تبلیغ اور تحریر و تصنیف اسکا خرچ کرنا کیونکہ ذخیرہ علم میں تحریر و تصنیف اور تحقیق ہی سے اضافہ ہوتا ہے۔

تحریر و تصنیف کی اہمیت کے بارے میں اس سے بڑھکر اور کون سا ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ خداوند علیم و خبیر اپنے کلام میں قلم اور تحریر کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے:

و القلم و ما یسطرون

(قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں)

ارشاد خداوندی ہے:

و اذا اخذ اللہ میثاق الذین اوتو ا الکتاب لتُبیننُہٗ للناس و لا تکتمونہٗ

(اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کر دینا اور اس کو پوشیدہ نہ کرنا)

چنانچہ رسول ﷺ نے اپنے فریضہ نبوت اور دعوتی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں بھی مختلف اطراف و اکناف کی طرف تحریری خطوط اور پیغامات ارسال فرمائے۔ اور سیدنا عمر فاروقؓ کو بھی قرآن پاک کو تحریری شکل دینے کی اشد ضرورت محسوس ہوئی ورنہ اس وقت ان حفاظ صحابہؓ کی کوئی کمی نہیں تھی جن کے سینہ مبارک اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے لبریز تھے۔ قیامت کے روز اللہ جل شانہٗ عابدین اور مجاہدین سے کہیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ علماء عرض کریں گے اے اللہ انہوں نے علم کے طفیل عبادت کی۔ جہاد کیا۔ اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے تم میرے نزدیک ملائکہ کی طرح ہو شفاعت کرو تمھاری شفاعت قبول کی جائے گی پھر وہ شفاعت کریں گے اور جنت میں چلے جائیں گے۔ یہ اعزاز و اکرام ان علوم کی وجہ سے ہوگا جو تعلیم و تبلیغ اور تصنیف کے ذریعہ دوسرے لوگوں تک پہنچے۔ اس علم کی وجہ سے نہیں جو اس شخص کے ساتھ رہے کسی دوسرے کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ حدیث رسول ہے جب ابن آدم مرجاتا ہے تو اس کے

عمل کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں سے منقطع نہیں ہوتا ایک اس علم سے جس سے اوروں کو فائدہ ہو ایک صدقہ جاریہ سے اور ایک صالح اولاد سے جو اس کے لیے خیر کی دعا کرے۔امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم یں لکھا ہے کہ علم کے چار مراحل ہیں۔ایک طالب علمی کا زمانہ، دوسرا وہ دور جس میں حاصل شدہ علم پر اتنا عبور ہو جائے کہ سوال کی ضرورت ہی باقی نہ رہے، تیسرا وہ دور جس میں اپنے علم پر غور فکر کرے اور فائدہ اُٹھائے اور چوتھا وہ دور کہ اپنے علم سے دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔یہ حالت سب حالتوں سے افضل ہے اس لیے کہ جو شخص علم حاصل کر کے عمل کرے اور لوگوں تک پہنچائے آسمان وزمین کے ملکوت میں عظیم کہلاتا ہے۔وہ آفتاب کے مانند ہے جو خود بھی روشن ہے اور دوسروں کو بھی روشنی دیتا ہے۔

عصر حاضر میں نشر واشاعت اور تحریر وتصنیف کا کام computer اور Internet سے بھی ہو رہا ہے جبکہ ان جدید سہولیات کے ہوتے ہوئے بھی تحریر وتصنیف کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل کے انٹرنیٹ دور میں بھی مغربی ممالک کے لوگوں نے تحریر وتصنیف اور کتابوں سے اپنا رشتہ اسی طرح جوڑے رکھا ہے جس طرح کہ اس سے پہلے کا تھا جبکہ بدقسمتی سے ہمارے یہاں تعلیمی اداروں اور ٹیوشن سنٹروں میں ہمارے بچوں کو درسی کتابوں کے بدلے چار یا پانچ صفحات پر مشتمل zerox کیے ہوئے notes جو چند سوالات اور جوابات پر مشتمل ہوتے ہیں دیکر عادی بنایا جاتا ہے تاکہ اپنے متعلقہ درجات کے امتحانات پاس کر کے سند فراغت حاصل کریں اور بقول اکبر الٰہ آبادیؒ

کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ہوئی اور مر گئے

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ جدید تعلیم کے بارے میں علامہ اقبال کی رائے یوں لکھتے ہیں:

''اقبال کی یہ سنجیدہ رائے ہے کہ تعلیم جدید نے نئی نسل کی صرف عقلی اور ظاہری تربیت سے اعتناء اور قلب وروح کی نشونما، روحانی ارتقاء، اخلاق کی پاکیزگی اور تزکیہ نفس سے غفلت کر کے اس پر سب سے بڑا ظلم کیا ہے جس کے سبب اس کے قویٰ غیر متوازن اور اس کی اٹھان غیر متناسب ہوئی ہے۔اور اس کی زندگی ہم آہنگی کے بجائے بے اعتدالیوں کا نمونہ بن گئی ہے۔نئی نسل کے

ظاہر وباطن، عقل وروح، علم وعقیدہ کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا ہو گئی ہے۔'' (نقوش اقبالؒ)

یہ بتان عصر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ، نہ تراش آذرانہ
گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ
شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب پر
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

علامہ مشرق نے عالم اسلام میں (اور ہندوستان میں بھی) تحریر وتصنیف کے میدان میں ایسے بڑے اور معیاری کام کیے ہیں جو آج بھی اپنی صحت وصداقت، رسوخ اور جامعیت میں بے نظیر ہیں۔انہوں نے تلاش وتحقیق اور تصنیف وتحریر کے ان سب بنیادی اصولوں کو اپنے سامنے رکھا ہے جنہیں ہم آج علمائے مغرب کی دین سمجھ رہے ہیں۔قرآن کے جمع وتدوین، احادیث نبوی کی تبویب، سیرت طیبہ ﷺ کی عہد وعہد خانہ بندی کو نگاہ غور سے دیکھیے تو اس دور کے علماء کی دِقتِ نظر اور فہم وفراست کا قائل ہونا پڑتا ہے۔حالانکہ علمی روایت اس وقت اپنی شیر خواری کی منزل میں تھی۔جمع قرآن کے لیے جو طور طریقے استعمال کیے گئے اور جو معیار بنایا گیا۔اس پر کچھ اضافہ کرنا آج بھی ممکن نہیں اسی طرح احادیث کا جمع کرنا اس کے لیے قانونی شہادت کا استعمال اور اس کے اصول وضع کرنا، راویوں کی جانچ پڑتال اور روایات کی چھان بین کے قاعدے بنانا، اسماء الرجال کا فن ایجاد کرنا، اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ کو مستقل موضوعات کا رتبہ دے دینا، نصوص کے گہرے اور صحیح مطالعے کے صرف ونحو، علم بلاغت، علم لغت کو شانہ بہ شانہ ترقی دینا، نصوص کے صحیح نتائج اخذ کرنے کے لیے فلسفہ ومنطق اور علم کلام کا سہارا لینا یہ سب کچھ علماء متقدمین کے گہرے شعور تحقیق پر گواہ ہیں۔علمائے مغرب کو یونانی علوم کا ذخیرہ مسلمانوں سے ہی ملا تھا۔انہوں ان مصادر کی تلاش شروع کی تو تحقیق وتدوین کے ان اصول وضوابط سے فائدہ اُٹھایا جو مسلمان علماء نے قائم کر دیے تھے بس اتنا ہوا کہ کچھ ضابطوں کی اصطلاحیں مل گئیں اور اصول تحقیق کو بھی ایک فن کا درجہ دیا گیا۔بقول اقبالؒ

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

دنیا کے دیگر ملکوں کی طرح برصغیر کی دانشگاہوں میں بھی علمی و ادبی تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ دیگر مضامین کی طرح، عربی، فارسی، اردو اور اسلامک اسٹڈیز کے میدانوں میں بھی تحقیقی اور تصنیفی سرگرمیاں زوروں پر ہیں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (UGC) حکومت ہند نے جب سے لیکچرر کے منصب پر تقرری کے لیے پی۔ ایچ۔ ڈی (Ph.D) کی ڈگری لازمی قرار دی اس وقت سے تو اور بھی یہاں ریسرچ اسکالرز کا ہجوم ہے اور اب تحقیق کا معیار بھی پست ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن اگر غرض صرف ''ڈاکٹریٹ'' کی ڈگری حاصل کرنی ہے بہ الفاظ دیگر اپنے نام کے ساتھ ''ڈاکٹر'' کا اضافہ آپ کی آرزو بن کر تحقیقی مقالے میں سمٹ آئی ہے جیسا کہ کچھ لوگ چاہتے ہیں جن کی غرض صرف یہ ہے کہ اسے ملازمت یا ترقی حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیں تو تضیعِ اوقات، محنت رائیگان اور قوم کے قیمتی سرمایہ کی بے دریغ بربادی کے علاوہ اس عظیم المرتبت میدان میں ہم نے کچھ حاصل نہ کیا۔ ایک محقق مصنف کے لیے طبعی میلان اور اس کی ذاتی دلچسپی کا ہونا ایک امر ناگزیر ہے کیونکہ بغیر اس کے اچھی تحقیق ہونی مشکل ہے۔ اسکے لیے کوئی ضروری نہیں کہ وہ ایم۔ اے کی تعلیم کے بعد تحقیقی سرگرمیوں ہی میں اپنی ذہنی صلاحیتیں صرف کرے بلکہ ترقی کے لیے بہت ساری دوسری راہیں کھلی ہیں اور وہ اپنی راہ آپ متعین کرنے میں آزاد ہے۔ تحقیق کے لیے جب تک ذاتی دلچسپی اور ذہنی میلان نہ ہوگا اسے اس میدان میں مایوسی رہے گی۔ برصغیر ہندو پاک کے مشہور و معروف محقق علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس طبعی میلان اور ذاتی دلچسپی کے باعث وکالت کا پیشہ چھوڑ کر علم و ادب اور تحقیق و تنقید کو اپنا خاص مشغلہ بنایا تھا۔ مولانا کی کتابیں علمی و تحقیقی دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کے شاگرد رشید سید سلیمان ندویؒ نے اپنے استاد کی راہ اپنائی اور انہوں نے بھی کالج کی پرسکون ملازمت ترک کر کے مشہور بیریسٹروں میں شمار ہوئے تھے لیکن ذاتی دلچسپی اور طبعی میلان نے انہیں ملک کے بڑے محققوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ تحقیق و تنقید کی دنیا میں کون ہے جو ان کی تحقیقی و تنقیدی عظمت کا اعتراف نہ کرتا ہو۔ کلیم الدین احمد انگریزی کے پروفیسر تھے لیکن علمی حلقوں میں اردو کے

مشاہیر نقاد کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال کا پیشہ وکالت تھا لیکن ان کے طبعی ذوق اور دلچسپی نے انہیں قوم و ملک کا ایک عظیم مصلح شاعر بنا دیا۔ فارسی زبان و ادب کی تاریخ لکھنے والوں میں ایڈورڈ براؤن ایک انگریز مصنف دراصل ایک ڈاکٹر تھے لیکن فارسی والے بہت کم ہیں جو انہیں ڈاکٹر کی حیثیت سے جانتے ہیں ان کی عظمت و شہرت کا باعث صرف ان کی Litrary History of Persia بنی۔ براؤن نے اپنی ذاتی دلچسپی ہی کے باعث زندگی کا بیشتر حصہ فارسی زبان و ادب کی تحقیق اور اس کی تاریخ مرتب کرنے میں صرف کیا۔ اہل ایران بھی ان کی تبحر علمی کا اعتراف کرتے ہیں یہ وہ مشاہیر ہیں جن کی علمی و تحقیقی عظمت ہماری قلبی گہرائیوں میں بھی ہے اور جن کی فنی مہارتوں اور علمی و تحقیقی خدمات کے ہم سب معترف بھی ہیں۔ مختصر یہ کہ علمی تحقیق کے میدان میں طبعی رجحان اور ذاتی دلچسپی کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔ وہ اہل قلم اور بزرگ مصنفین جن کی تصنیفات اعتبار و احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے ان پر خواہ مخواہ اعتراض نہ کیا جائے۔ زبان نہایت صاف آسان اور شستہ اور عام فہم ہونی چاہیے۔ ایسی باتیں تحریر کرنے سے گریز کریں جنہیں قاری سمجھنے سے قاصر ہو۔ اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے اسوہ پر عمل کرنا چاہیے ارشاد ہے:

نحن معاشر الانبیآء امرنا ان ننزل الناس منازلھم و نکلمھم علیٰ قدر عقولھم (ابو داؤد)

(ترجمہ) ہم انبیاء کی جماعتیں ہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کو ان کے مرتبوں پر رکھیں اور ان کے عقلوں کے مطابق ان سے گفتگو کریں۔

فرمان نبوی ہے:

ما احد یحدث قوماً بحدیث لا تبلغہ عقولھم الا کانو ا فتنۃ علیٰ بعضھم (احیاء)

(ترجمہ) جب کوئی شخص کسی قوم کے سامنے ایسی بات کہتا ہے جسے ان لوگوں کی عقلیں سمجھنے سے قاصر ہوں تو وہ بات ان میں سے کچھ لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتی ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمان اہل علم کی ذمہ داریوں میں یہ بھی

ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو۔اس لیے کہ علم کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے اور عمل کا مشاہدہ ظاہر کی آنکھ سے کیا جاتا ہے اہل بصیرت کم ہیں اور آنکھ رکھنے والے زیادہ ہیں ۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے **لا یکون المرء عالماً حتیٰ یکون بعلمه عاملا** (ترجمہ) آدمی اس وقت تک عالم نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عالم ہونے کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اس سے یہ معلوم ہو کہ دنیا بے حیثیت ناپائیدار اور فانی ہے اس کے مقابلے میں آخرت عظیم ہے۔وہ اپنے علم سے دنیا کی طلب میں مشغول نہ ہو بلکہ ایسے علوم کی تحصیل میں مشغول ہو جو آخرت میں مفید ثابت ہو سکیں ۔یا جو باری تعالیٰ کی اطاعت کی رغبت پیدا کریں۔جس قدر تن آسانی سے دور ہوگا اس قدر اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوگا ۔حکام وسلاطین سے دور ہو۔فتویٰ دینے میں جلدی نہ کرے جس معاملے میں تردد یا شک ہو تو اپنی لاعلمی کا اعتراف کرے۔اگر چہ نفس پر گراں ہی گزرے۔علم باطن حاصل کرنے کی لگن ہو اس کی توجہ یقین کو مضبوط تر بنانے کی طرف زیادہ سے زیادہ ہو اس لیے کہ یقین دین کا اصل سرمایہ ہے **الیقین الایمان کله**۔

اہل علم حضرات پر لازم ہے کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول پر کڑی نگاہ رکھتے ہوئے اپنی تحریرات وتعلیمات کے ذریعے سماج میں پھیلی برائیوں کے برے انجام سے اپنی قوم کو متنبہ کرتے رہیں۔''**ولینزرو قومهم اذا رجعو الیهم لعلهم یحذرون** ''الآیہ ہمارے ہاں یہ بیس بائیس سال کے دوران جو اخلاقی تنزل واقع ہوا ہے اس پر یہ قطعہ زبان پر آرہا ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

حلال وحرام کی تمیز ختم ہوگئی ہے، کہاں سے آتا ہے اور کیسے آتا ہے یہ بے معنی سوال ہو کے رہ گیا۔ہاں کتنا آتا ہے اس پر ساری توجہ مرکوز رہتی ہے۔سودی لین دین میں مجموعی طور پر ہم سب ملوث ہیں بے پردگی اپنے عروج پر ہے شادی بیاہ کے مواقع پر جو خرافات ہمارے ہاں معمول بن گیا ہے اس سے روح انسانیت کانپ جاتی ہے۔۔جہیز کے نام پر جو حرام لین دین ہمارے ہاں ہوتا ہے اس کو دیکھ کر ہندو (جن کے ہاں اس کا رواج تھا) شرما جاتے ہیں۔اختلاط مرد و زن کوئی گناہ ہی نہیں رہا ہے۔سینما ہال بند کیا ہوئے ۔ہر گھر سینما بن گیا ہے۔قبل از نکاح

منگیتروں کا آپس میں میل ملاپ، اس پر والدین بچوں کو اکساتے ہیں۔،رشوت کے لین دین میں تمام دیگر ریاستوں سے سبقت حال کرنے میں ہم قطعاً شرمندہ نہیں ہیں۔غیبت،بغض،عناد الزام تراشیاں،چغل خوری،تہمتیں لگانا روزمرہ کے کھیل بن گئے ہیں۔رشتے ناطے رحم سے نہیں ،مال وزر سے متعلق ہو کر رہ گئے ہیں۔بڑوں کی توقیر،چھوٹوں پر شفقت اگر ہمارے لیے فائدہ بخش ہے تو قبول ورنہ ہمیں اس سے کیا لینا دینا۔خود احتسابی کے فن سے نابلد،ہم ننانوے کو سو بنانے کے بھنور میں گھر گئے ہیں۔بے حیائی،بدکاری،سگریٹ نوشی،شراب خوری،قمار بازی اپنے عروج پر ہے۔ہر سو بے راہ روی۔آوارہ گردی اور قتل غارت گری کا ماحول نظر آرہا ہے۔

ایسا قطعاً بھی نہیں ہے کہ ہمارے معاشرے کا ہر فرد ایسا ہی ہے لیکن کسی قوم کو اس کی اکثریت کے طور طریقوں سے پہچانا جاتا ہے۔یقیناً ہمارے یہاں بھی ایسے متقی اور پرہیزگار علمائے کرام موجود ہیں جن کی بدولت آسمان آگ نہیں برساتی اور زمین ہمیں نگل نہیں لیتی لیکن ایک تو ان کی قلیل تعداد جو اپنی دینی مشغولیات کے باوجود تحریر وتصنیف کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس عظیم المرتبت فریضے کو سلف صالحین کی اقتداء میں باحسن نبھا رہے ہیں **فجزاهم الله خیر الجزا** ۔لیکن دوسری جانب بیشتر اہل علم کی خاموشی اپنی عافیت میں متفکر،باقی دنیا سے کنارہ کش یہ طریق کار ان کے علم پر زنگ چڑھائے گا۔مسلمان اہل علم اپنے آس پاس سے چشم پوشی نہیں کرسکتا۔مؤذن کو اذان دینی ہے۔بہر حال ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

وما علینا الی البلاغ.

مقالہ نمبر ۵

از الحاج ماسٹر شیخ محمد امین

(سابقہ لیکچرار (اردو) محکمہ تعلیم جموں وکشمیر)

ہر دور کے لوگ اپنے دور کو ایک نیا دور ہی سمجھتے آئے ہیں۔ اور سمجھتے ہی رہیں گے۔ اصل میں اگر چہ وہ دور زوال کی طرف ہی رواں دواں ہوگا تو بھی عام لوگ اور کم علم اسے ترقی کا دور ہی کہتے ہیں۔ ترقی اور تنزل کے یہ ادوار گزرتے رہیں ہیں اور بھی گزرتے رہیں گے۔

ہر زمانے میں ذہنی پسماندگی اور انحطاط کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ انسان مادی دنیا کی ترقی کو ہی ترقی تصور کرتا ہے کیونکہ اس کے سامنے دنیا داری ہی بڑی چیز ہوتی ہے۔ ہر دور میں ایسے کوائف اور ایسے حالات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

قدرت کا نظام کچھ ایسا ہے کہ جب جب انسان اصل راستے سے بھٹکنے لگا تو اس کی رہبری اور رہنمائی کے لیے انتظامات ہوتے رہے۔

جہالت اور تاریکیوں کے دور میں قدرت نے روشنی کے منارے اور ہدایت کی مشعلیں وجود میں لائیں۔ وقتاً فوقتاً قدرت نے پیغمبر اور رسول ان گمراہ لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسان کی آفرینش ہی سے علمبرداروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ پیامبر اور قدرت کے ایلچی عوام الناس کو کامیابی اور اصل کامرانی کی طرف دعوت دیتے رہے۔

آفرینش آدم ہی سے خطاؤں لغزشوں اور توبہ واستغفار کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔ قرآن اس بات کا گواہ ہے کہ انسان کی غلطیوں اور خطاؤں کیساتھ ساتھ کس طرح اس کی اصلاح اور فلاح کے سامان قدرت تیار کرتی رہی۔ یہ اصلاحی اقدام جن خاص بندوں کو سپرد کیے گئے انہوں نے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی کہ بھٹکے ہوئے انسان کو سیدھا راستہ نظر آئے۔

تصنیف وتالیف اور تحریر وتقریر ہی ان اصلاحی تحریکوں کا ذریعہ بنا ہے۔ کہا جاتا ہے تحریر و تصنیف کا آغاز حضرت ادریسؑ کے دور سے شروع ہوا ہے لیکن تحریر کا وسیلہ کیا ہے؟ از روئے قرآن اس کا وسیلہ قلم ہے۔ علم کا اظہار قلم ہی سے کیا گیا۔ قرآن حکیم میں جابجا قلم کا ذکر ہے۔

اگر باریک بینی سے دیکھا جائے تو دنیائے انسانیت کی تقدیر بھی لوح محفوظ پر قلم ہی سے رقم

کی گئی۔ خدائے کائنات نے از خود قلم کو حکم دے کر تقدیر تحریر کی ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

خدائے بزرگ و برتر نے اپنا کلام بھی تحریری صورت میں ہم عاصیوں تک بوسیلہ آنحضرت ﷺ پہنچانے کا ذریعہ قلم ہی کو بنا دیا۔ قرآن مقدس اگر چہ بذریعہ وحی بوساطت جبرئیلؑ پیغمبر آخر الزمان تک پہنچا مگر قدرت ہی کے اذن سے اسے ساتھ ساتھ قلم بند بھی کیا جاتا رہا۔ خدمت اقدس میں کاتب وحی موجود رہتے اور اس پاک کلام کو سپرد قرطاس کرتے۔ اس طرح تصنیف وتحریر کا یہ سلسلہ قران ہی سے چلا ہے۔ قلم تو بظاہر ایک بے حقیقت اور کمزور چیز نظر آتی ہے لیکن اس کو جب جنبش دی جاتی ہے تو بڑے زوردار اور طاقت ور کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ قلم سے نکلے ہوئے سخت سے سخت الفاظ جس طرح کسی دل کو زخمی کر سکتے ہیں اسی طرح قلم کی دل خوش کن تحریریں دل کے زخموں پر مرہم کا کام کرتی ہے۔ گویا قلم میں زندہ کو مردہ اور مردہ دلوں کو زندہ کرنے کی دونوں طاقتیں موجود ہیں۔ قلم کی فتوحات ہمیشہ پائدار ہوتی ہیں جس کو کبھی زمانہ مٹا نہیں سکتا۔ بادشاہوں کے قبضے سے ملک اور سلطنت کا نکل جانا ممکن ہے لیکن ایک صاحب قلم کی تصنیف خود بھی زندہ رہتی ہے اور مصنف کو بھی زندہ اور پائندہ رکھتی ہے۔ قلم اور تحریر کی اس طاقت کو زیر نظر رکھ کر ہی ہمارے سلف صالحین نے بڑے بڑے قلمی کارنامے انجام دیے ہیں۔ تابعین اور تبع تابعین میں سے ہمارے ائمہ عظام بالخصوص ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ایسے قلمی کارنامے انجام دیے جن سے امت میں ایک انقلاب رونما ہوا مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد یعنی سواد اعظم امام صاحب کی پیروکار بن بیٹھی۔ ان کی تحریروں کی بدولت نہایت ہی مشکل مسائل کا حل نکل آیا۔ نہ جانے کتنے الجھے ہوئے سوالات کے جواب ملتے رہے۔ قوم اور ملت کی سوچ اور فکر بدل گئی۔ اسی طرح ان کے ہم عصر علماء اور اہل دانش بھی تحریر و تصنیف کے کام میں پیش پیش رہے۔ امام اعظمؒ اور ان کے شاگردوں نے تحریر وتصنیف کے ذریعے ایک عجیب انقلاب بپا کیا۔ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ اور مصاحبوں نے اسی طرح کے تحریری کارنامے انجام دیے ہیں۔ آج کے دور کو پرفتن اور انحطاط کا دور کہا جاتا ہے

۔ ہر طرف سے بے راہروی، عریانیت، بے پردگی، بے حیائی اور الحاد کے مناظر دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ مادیت لوگوں کے ذہنوں پر سوار ہوگئی ہے۔ مسلمان اپنے مقام اور منصب کو بھول بیٹھے ہیں۔ سودی کاروبار کا دور دورہ ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنا باعث وبال شمار کیا جاتا ہے۔ جھوٹ، فریب اور دھوکہ دہی عام ہوگئی ہے۔ یہ حالات جناب نبی اکرم ﷺ کے ظاہری انتقال کے دو سو سال بعد زیادہ عروج پر چلے گئے۔ چنانچہ ایک حدیث کا متن یوں ہے۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم

یعنی نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ ﷺ کا زمانہ بہترین زمانہ تھا۔ پھر اسکے بعد کا پھر اس کے بعد کا ۔امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ حالات بد سے بدتر ہوتے رہے۔ مگر اللہ کا کرم ہے کہ ہر دور اور صدی میں کوئی نہ کوئی مفکر، مجتہد، مجاہد اور رہبر نمودار ہوتا رہا۔ جس نے بد سے بدترین حالات کا اپنی تحریر و تصانیف سے بھرپور مقابلہ کیا۔ ان مجتہدین، فقہا، مجاہدین، مفکرین کی صفوں میں بہت ساری عظیم شخصیتیں کھڑی نظر آتی ہیں۔ مخصوص شخصیات میں امام غزالیؒ، امام نخعیؒ، امام ابن تیمیہؒ، امام رازیؒ، محی الدین ابن عربیؒ، مولانا رومیؒ جنید بغدادیؒ، شیخ عبد القادر جیلانیؒ، میر سید علی ہمدانیؒ، شیخ سعدیؒ وغیرہ شامل ہیں۔

موضوع کی نسبت سے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ دور حاضر کے حالات کو زیر نظر لا کر اہل علم و اہل دانش علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ زمانہ حال کے تقاضوں کے پیش نظر اپنی تحریر و تصنیف کے ذریعہ یہ خدمت انجام دیں جو سلف صالحین نے وقت اور حالات کی نزاکت کو دیکھ کر انجام دی ہے۔

یوں تو ہر مسلمان ایک داعی کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنی سطح پر ہر مسلم دوسروں کو دعوت الی اللہ پر آمادہ کر سکتا ہے۔ مگر یہ فریضہ مسلمان علماء اور دانشور ہی بہ حسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

ماضی قریب پر نظر ڈالتے ہیں تو بڑی عظیم ہستیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو دیکھیے۔ ایک سوانح نگار نے آپ کے مشغلہ تحریر و تصنیف میں انہماک کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ''کہ آپ بھاری ڈیل ڈول کے آدمی تھے، گھنٹوں لکھتے چلے جاتے پھر بھی تھکنے کا نام نہ لیتے تھے''، شاہ صاحب نے حالات و واقعات کا خوب جائزہ لیکر قلم طرازی شروع کر لی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنی تحریر و تصنیف کے ذریعہ عوام میں اسلامی انداز فکر و عمل پیدا کرنے

، اپنے اخلاق ٹھیک کرنے، بیجا حرص و ہوا سے بچنے، شیطان کے قابو میں نہ آنے، عورتوں کے جھانسے میں نہ الجھنے، ان کے حقوق تلف نہ کرنے، حرام کمائی سے بچنے کی داعیانہ کوششیں کیں۔ شاہ صاحب کے قلم میں اتنا زور تھا کہ عوام الناس میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی نظر آئیں جن کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ قانون قدرت ہے کہ جب داعی دعوت خیر پیش کرتا ہے تو اگر اس میں خلوص نیت ہوگا یہ دعوت کارآمد اور مفید ثابت ہوتی ہے۔ شاہ صاحب کی ان کاوشوں میں تبلیغی مکتوبات سلاطین کے نام مکتوبات، عوام کے نام خطابات، امراء و وزراء سے خطابات، افواج اور سپاہیوں کے نام پیغامات، ارباب صنعت و حرفت کے خطابات، پیرزادوں اور علمائے سوء کے نام مکتوبات وغیرہ شامل ہیں۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر و تؤمنون بالله

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے کارناموں پر تبصرہ مطلوب و مقصود نہیں بلکہ یہ تاثر دینا ہے کہ کس طرح وقت وقت پر ان صالح لوگوں نے اپنی ذمہ داریاں نبھائی ہیں۔ ذاتی عبادات و ریاضات میں منہمک رہنا باعث نجات نہیں بلکہ میدان عمل میں آکر خدمت انجام دینا ہی مرغوب و مقصود ہے۔ ہر صدی میں اور ہر دور میں قوم و ملت اسلامیاں کے فرزندان توحید اور مصلحین نے جہالت کی تاریکیوں، دینی اور معاشرتی زوال کا مشاہدہ کرنے کے بعد فوراً دینی اور اسلامی اور ایمانی حمیت کے زیر اثر تحریر و تقریر کا بیڑا اٹھایا اور حتی المقدور اصلاحی کوششوں میں لگے رہے۔ ان ہی علمائے دین اور ذی شعور لوگوں کی قلمی اور لسانی جہاد کا ثمرہ تھا کہ نئے نئے مبلغ، مصلح، مجاہد، مصنف اور علماء دانشور پیدا ہوتے گئے، جنہوں نے ہر قیمت پر دین کا تحفظ کرنے اور معاشرہ میں انقلاب برپا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ جو چراغ سلف صالحین نے اپنی مسلسل کوششوں سے روشن کیے تھے۔ ان کی روشنی آج بھی مسلمانوں کو راہ دکھانے کا کام کر رہی ہے۔ مختلف اداروں نے ایسے علماء اور دانشوروں کو جلا بخشی جو موجودہ صدی میں اپنے نقوش چھوڑ کر گئے ہیں۔ اٹھارویں اور انیسویں صدیوں میں بڑے بڑے مفکر اسلام اور دانشور پیدا ہوئے جن کو رہتی دنیا تک لوگ یاد کرتے رہیں گے۔ ان کا شمار کرنا تو ناممکن ہے۔ اور یہ طوالت کا

باعث بھی بنے گا۔تاہم چند شخصیات کے نام یاد کرنا مناسب حال ہوگا۔ادارہ دیوبند کے جلیل القدر علماء میں تحریر وتقریر اور تصنیف وتالیف کا کام حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ، مفتی عبدالرشید گنگوہیؒ، مفتی محمود الحسن صاحبؒ، علامہ شبیر عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ صاحب مفسر قرآن اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بہ خوبی سرانجام دے دیا۔اس دائرے سے باہر بھی کئی صالحین اور علماء کے نام قابل ذکر ہے ان میں سرسید احمد خان، ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبالؒ، علامہ مودودیؒ، سید سلیمان ندویؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، سید عطاء اللہ بخاریؒ، مولانا شبلی نعمانیؒ، الطاف حسین حالیؒ شامل ہیں۔

مقالہ زیادہ طویل نہ ہوجائے بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ اسے ان آخری کلمات سے ہی تکمیل تک پہنچاؤں۔

موجودہ دور کے حالات اور واقعات کو غور سے دیکھنے کے بعد علمائے اسلام اور مسلمان دانشوروں کو خاموش تماشائی بن کر بیٹھنے سے بہتر ہے کہ وہ جہاد بالقلم کا آغاز کریں ہمارے معاشرہ میں نکتہ رس مفکروں، عالموں، دانشوروں اور اساتذہ کی کوئی قلت نہیں ہے۔ان سب حضرات پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کسی خوف وہراس کے بغیر سامنے آئیں اور اپنے علوم اور تجربات ومشاہدات کو تحریر وتصنیف کی صورت میں پیش کریں تاکہ سماج معاشرے اور قوم و ملت میں پیدا ہونے والی خرابیوں کا بروقت تدارک اور علاج ہوسکے۔

ولا تھنو و لا تحزنو وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لاالٰہ الااللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لاالٰہ الااللہ

مقالہ نمبر ۶

از ڈاکٹر فیض احمد فیاضؔ

(لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلم وجگر)

اللہ تعالیٰ کی اس وسیع اور عریض کائنات کے ہزاروں مخلوقات کے درمیان جس مخلوق کو عظیم، افضل واشرف ہونے کا خطاب بخشا گیا وہ انسان ہے یہ خاکی پتلا ہونے کے باوجود مسجود ملائک ہے۔اس کا عروج دیکھ کر انجم کبھی سہم جاتے ہیں اور کبھی عرق ناک ہوجاتے ہیں۔**سخر لکم ما فی السمٰوات و ما فی الارض** کہہ کر اسے گنبد وافلاک اور بادل وگھٹاؤں پر تصرف کرنے کا پروانہ بخشا گیا ہے۔مگر یہ انسان اپنے خالق و مالک کو بھول گیا۔نہ اسے تمام مخلوقات میں اپنا اشرف وافضل ہونا یاد رہا اور نہ ہی اپنی ذمہ داریاں یاد رہیں۔اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آگیا تو اس نے اس کی تربیت وھدایت کا بھی انتظام کیا۔انبیائے کرام جہاں لسانی دعوت دینے کے لیے مبعوث فرمائے گئے وہیں قلم وکتاب کی اہمیت بتا کر یہ بات بھی واشگاف کی گئی کہ ضرورت پڑنے پر اس کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔

نبی آخر الزمان کو قرآن عطا کیا گیا تاکہ وہ اس کی باتیں لوگوں کو سکھائیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:**ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیاتہٖ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ(الجمعہ)**

اس آیت مبارکہ اور اس طرح کی دوسری آیات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسان کی تعلیم وتربیت میں کتاب وقلم کا ایک اہم رول ہے۔حضورﷺ پر جو ابتدائی آیات نازل ہوئیں اس میں علم کو قلم کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔۔"**الذی علم بالقلم**"اور اس قلمی تعلیم کو زبانی تعلیم پر مقدم کیا گیا ہے۔حضورﷺ کا ارشاد ہے **لما خلق اللہ الخلق کتب فی کتابہٖ فھو عندہٗ فوق العرش ،ان رحمتی غلبت غضبی** یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ کلمہ لکھا ہے"میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے"۔

ایک اور حدیث میں ہے"**اول ما خلق اللہ القلم فقال لہٗ اکتب فکتب ما یکون الیٰ یو م القیٰمۃ فھو عندہٗ فی الذکر فھو عرشہٖ**"یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ

نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھے، اس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھ دیں ، یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ قلم کی تین قسمیں ہیں ایک جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تقدیر کائنات لکھنے کا حکم دیا۔ دوسرے فرشتے کے قلم جس سے وہ انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں، تیسرے عام انسانوں کے قلم۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے خود بنائیں اور ان کے سوا باقی مخلوقات کو حکم کُن سے پیدا فرمایا وہ چار چیزیں یہ ہیں: قلم، عرش، جنت عدن، اور حضرت آدم۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا اور نہ دنیا کے کاروبار درست ہوتے۔

مسلم دنیا میں آج فن کتابت کو اس قدر فروغ ملا ہے کہ ہر موضوع پر ان گنت کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ''انا نحن نزلنا الذکر و انا لہٗ لحافظون'' میں قرآن اور قرآنی علوم کی حفاظت اپنے ذمہ لی تھی۔ اسے فن کتابت کی شکل میں انجام دیا۔

ہمارے علماء وفضلاء نے اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور اسے ہر پکے اور کچے گھر میں پہنچانے کے لیے کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے اور جب تک یہ کتابیں موجود رہیں گی ان کا نام بھی زندہ وتابندہ رہے گا۔ عالم اسلام کے ان علماء وفضلاء کا تصنیف وتالیف میں اس قدر انہماک ہوتا تھا کہ باہر کی دنیا سے کٹ کے رہ جاتے تھے۔ محمد بن سحنونؒ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ ایک دن کوئی کتاب لکھنے میں مصروف تھے کہ شام ہوگئی۔ باندی آپ کے پاس کھانا لے کر آئی تو آپ نے کہا کہ ابھی میں مصروف ہوں۔ جب بہت دیر ہوگئی تو باندی نے خود اپنے ہاتھوں سے ان کو کھانا کھلایا۔ سحنونؒ لگاتار لکھنے میں مصروف رہے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوگئی۔ آپ نے لکھنا بند کیا اور اپنی باندی اُم مدامؒ کو کہا کہ اب کھانا لاؤ۔ ام مدامؒ نے کہا کہ حضور والا میں نے آپ کو کب کا اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا۔

امام بخاریؒ کے متعلق آیا ہے کہ وہ ایک رات اٹھے، چراغ جلاتے اور کچھ قلم بند کرتے، پھر چراغ بجھا کر لیٹ جاتے، پھر اٹھتے اور چراغ جلا کر لکھتے اسی طرح وہ ایک ہی رات میں تقریباً بیس مرتبہ لکھتے رہے۔

ایک محدث نے اتنی کتابیں لکھیں ہیں کہ جب ان کی زندگی کے ایام اور ان کی اپنی کتابوں کے صفحات کو ایک دوسرے پر تقسیم کیا گیا تو چالیس صفحات روزانہ بنے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو درس وتدریس کے انہماک، ذکر ونوافل کی یکسوئی کے باوجود تصنیفی ذوق اور تحریری کام میں انہماک ودیعت تھا۔ ان کی کل کتابوں کی تعداد، جو انہوں نے خود لکھیں اور اپنی رہبری میں اپنے شاگردوں سے لکھوائی ۲۷۰۰ ہے۔

حضرت مولانا زکریاؒ بھی درس وتدریس اور ذکر ونوافل میں مشغول رہتے تھے اس کے باوجود انہوں نے ایک سو کے قریب مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصنیفات وتالیفات اپنے پیچھے یادگار چھوڑیں۔

ہمارے ان علمائے کرام نے نہ صرف علمی اور تاریخی کتابوں کا ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے بلکہ ایسی سینکڑوں کتابیں بھی نوک قلم سے اگلوائی ہیں جو لاکھوں بندگان خدا کے لیے رشد وہدایت کا ذریعہ بنی ہیں۔ ابوالحسن ندویؒ جن کی خود اپنی تصنیفات لوگوں کو صحیح راہ پر لانے میں مددگار ثابت ہوئیں، کی زندگی میں جس کتاب نے انقلاب لایا وہ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کی ''رحمۃ للعالمین'' کتاب ہے۔ چنانچہ ''کاروان مدینہ'' میں فرماتے ہیں۔

''آج میں اس کتاب کا ذکر کروں گا جس کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے۔۔۔ مصنف نے اپنی کتاب کے ذریعے مجھے ایک ایسی دولت سے آشنا کیا جو میرے نزدیک ایمان کے بعد سب سے قیمتی چیز بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ایمان ہی کا ایک حصہ ہے، اس کتاب کا نام ''رحمۃ للعالمین'' ہے۔

''فضائل اعمال'' مصنف شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ کاندھلوی ایک ایسی کتاب ہے جس کے اب تک ہزاروں ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اور ایک ایک ایڈیشن دو دو، تین تین ہزار تعداد پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ اسی سے زیادہ زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اور ایک سو سے زیادہ اشاعتی ادارے اس کو مسلسل چھاپ رہے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قرآن مجید وصحاح ستہ کے بعد یہ سب سے زیادہ اور ہر ملک میں پڑھی جاتی ہے۔ اس کتاب نے امت مسلمہ میں عمل واخلاص کی ایک ایسی روح پھونکی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اس کتاب نے نہ صرف فاسق وفاجر بندگان خدا کو اپنے خالق

سے قریب کیا بلکہ انہیں ولایت کے درجہ تک بھی پہنچا دیا۔

راقم یہاں پر اس کتاب کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہے جس نے ایک طرف حضور اقدس ﷺ کی مبارک زندگی پر انگلی اٹھانے والوں کو منہ توڑ جواب دیا تو دوسری طرف ان کمزور مسلمانوں کو از سر نو کلمۂ توحید پڑھا لیا جو انگریزی اسکولوں میں پلے بڑھے تھے اور میور کی کتاب پڑھ کر شبہات میں پڑ گئے تھے اس کتاب سے میری مراد سر سید احمد خان کی خطبات احمدیہ ہے جو سر ولیم میور کی کتاب life of Muhammad (SAW) کے رد میں لکھی گئی ہے۔ میور کی یہ کتاب جو چار جلدوں پر مشتمل ہے جب چھپ کر آئی تو اس نے اگر ایک طرف عیسائیوں کو اسلام اور بانی اسلام سے بدظن کیا دوسری طرف تعلیم یافتہ نوجوان مسلمانوں کو بھی شک وشبہ میں ڈالا۔

جب اس کتاب کا مطالعہ سر سید نے کیا تو اسی وقت انہوں نے اس کا رد لکھنے کا قصد کیا اس کتاب کو تیار کرنے کے لیے انہوں نے اپنے کئی دوستوں سے قرضہ اٹھا کر پیسے جمع کیے اور لندن کا سفر کیا ''خطبات احمدیہ'' لکھنے کے لیے وہ کس قدر بے تاب تھے وہ ان دو خطوط سے معلوم ہو جاتا ہے جو انہوں نے سید مہدی علی خان کے نام لکھے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''مواعظ احمدیہ'' (خطبات احمدیہ) لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں اس کے سوا اور کچھ خیال نہیں، جانا آنا، ملنا جلنا سب بند ہے۔ آپ اس خط کے پہنچنے پر میر ظہور حسین کے پاس جایئے اور دونوں صاحب کسی مہاجن سے میرے لیے ہزار روپیہ قرض لیجیے۔ ہزار روپیہ بھیجنے کے لیے دہلی لکھا ہے اور لکھ دیا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ میرے ظروف تک فروخت کر کے ہزار روپیہ بھیج دو۔۔۔۔ کیا کہیے اس کتاب کے پیچھے خواب وخور حرام ہو گیا ہے۔ خدا مدد کرے''۔

دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

''اگر میری یہ کتاب تیار ہو گئی تو میں لندن میں آنا دس حج کے برابر سمجھوں گا''

ہمارے اسلاف نے نہ صرف علوم دینیہ میں محیر العقول کارنامے انجام دیے ہیں بلکہ عام سائنس اور سوشل سائنس کے میدان میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہیں تھا۔ تاریخ ہو یا جغرافیہ، علم فلکیات ہو یا علم طب، علم زراعت ہو یا شعر وادب ان تمام شعبوں میں بھی مسلمان یورپ کے استاد رہے ہیں۔ ابن سینا، البیرونی، ابن البیطار، جابر بن حیان، ابن الہیثم، محمد بن علی الدمیری

وغیرہ اور ان جیسے بیسوں مسلم سائنس دانوں نے مختلف مضامین پر سینکڑوں کتابیں لکھ کر بعد میں تحقیق کرنے والوں کے لیے بنیاد فراہم کی۔ یہ دوسری بات ہے کہ عوام تو عوام تعلیم یافتہ مسلمان بھی سائنس کے ان ناخداؤں سے ناواقف ہیں علامہ اقبالؒ کو ۱۹۰۵ء میں اپنا پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ تیار کرنے کے لیے جب یورپ کی کئی بڑی لائبریریوں سے گزرنا پڑا تو اپنے بڑوں کی نادر کتابیں دیکھ کر ششدر بھی رہ گئے اور زار زار بھی روئے ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

غرض ہمارے اسلاف نے کوئی ایسا میدان نہیں چھوڑا جس کے وہ شہسوار نہیں ہیں۔ انہوں نے ہر میدان میں محیر العقول کارنامے انجام دیے ہیں۔ آج کا مسلمان پستی کا شکار ہو گیا ہے اس پستی، ذلت اور خواری سے نکلنے کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ اگر انہیں اپنے اسلاف کا ''قلم وجگر'' نصیب ہو جائے ؎

تا خلافت کی بناء دنیا میں پھر ہو استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلم وجگر

(نوٹ) علامہ اقبال کے مذکورہ بالا شعر میں قلم وجگر کے بجائے قلب وجگر ہے لیکن مقالہ نگار نے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر قلم وجگر استعمال کیا ہے جو موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے اپنے معانی میں مزید رنگینی پیدا کرتا ہے۔ اور تضمین میں اس کانٹ چھانٹ کی اجازت ہے۔

مقالہ نمبر ۷

از ملک محمد جاوید اچھ بل رفیع آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ

معزز قارئین کرام۔ آج کا دور عمومی طور سے، امتِ مُسلمہ کے لئے اور خصوصاً نوجوانانِ اسلام کے لئے، باعتبار دین وآخرت اور ایمان وعقیدہ کے، بہت ہی پُرخطر ثابت ہو رہا ہے۔ ہم سب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ عصرِ حاضر میں ہر محاذ پر مسلمانوں کو ایسے فتنوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جو آگ کے شعلوں کی مانند بھڑک رہے ہیں، جو پوری طرح سے اسلامی ملکوں، انکے ایمان ویقین، تہذیب وتمدن اور دین سے انکی وابستگی وتعلق کو، جلا کر خاکستر کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہمارے اسلاف واکابرین کی قابل ستائش وقابل مشقت جدوجہد اور محنت پر پانی پھیر دینا چاہتے ہیں۔

باطل ہر روپ ولباس میں چاہے وہ الحاد ہو، دہریت ہو، مادیت وقوم پرستی ہو یا پھر نئی رائج اصطلاح کی روشن خیالی ہو، ہر سمت سے مسلمانوں کے علم وفکر، تہذیب وکلچر، ذوق وشوق اور اخلاص واحسان کے مظبوط قلعوں میں شگاف اور ساتھ ساتھ انکی تعلیمات ودینی لٹریچر میں رنگ آمیزیاں ومبالغہ آرائیاں کر کے، انکے مروجہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہنوں میں، شکوک وشبہات پیدا کر کے انکے دین وایمان اور قلبی اطمینان، کو کمزور، کرنا چاہتے ہیں۔

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تُو نے

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

آج کے تعلیمی نظام میں ہمارے پڑھے لکھے نوجوانوں کو دینی علم ولٹریچر کی کبھی زیارت کا بھی موقعہ نہیں ملتا اور اس کے بالمقابل ناخداترسی ومادیت کی تعلیم وتربیت کا رنگ ماں کی گود سے ہی انکے دل ودماغ پر چڑھایا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ تقریباً ہمیشہ سے ہی حقیقی علم وعرفان سے ناآشنا رہتے ہیں۔ کتنے ہی ایسے ہمارے بھائی ہیں، جو دینی احساس ومعلومات کے اعتبار سے اگر بے جانہ ہوگا شاید غیروں سے بھی زیادہ ناواقف ثابت ہو رہے ہیں۔ جن کو نہ اپنے دین

کی فکر، نہ اپنی پاکیزہ تہذیب وروایت سے کوئی دلچسپی اور نہ اپنے مقصدِ حقیقی کا پتہ ہے۔

ایک وقت ایسا تھا کہ اس دین کی خاطر ہمارے بڑوں نے تلوار چلانے اور اپنی گردن کٹانے میں ایک لمحہ کا بھی تأمل نہیں کیا، لیکن شاید آج ہمیں سر کٹانے اور کاٹنے کی اتنی ضرورت درپیش نہیں، جتنی باطل کی ان مُلحدانہ، ایمان سوز ومادہ پرستانہ تحریکوں سے آنکھیں ملانے کی ضرورت ہے۔ آج ہمارے دین پر تلواروں کا اتنا حملہ نہیں ہو رہا ہے جتنا کہ غلط وبے سراپا دلیلوں وجھوٹی تاویلوں کا حملہ ہو رہا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان حملوں کا جرأت کے ساتھ سر بکف وسینہ سپر ہو کر میدان میں بلاخوف اتر کر مقابلہ کیا جائے۔ تاکہ ہماری نئی نسل جو احساس کمتری، خودفراموشی، یاس وناامیدی کی شکار رہو رہی ہے، میں خوداعتمادی وخودداری اور اُمید وغیرت نیز دین حق سے اچھی طرح وابستگی ازسرنو پیدا ہو جائے تاکہ مستقبل میں ایسے افراد کا قافلہ وجود میں آجائے، جو احقاق حق وابطالِ باطل کے جذبہ سے لبریز اور اس حق وباطل کے معرکہ کارزار میں شہسوار ثابت، ہوں۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے روشن وہدایت یافتہ جھنڈے کو پھر سے بلند کریں، جسکی خاطر روحِ محمدی ﷺ مضطرب وبے قرار ہے۔

ہمارے دین میں قلم وتحریر کی اپنی شان آپ ہے، بلکہ وحیِ ایزدی کا آغاز ہی علم وقلم سے ہی کیا گیا ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں، تاہم قدرے اجمالی طور پر ہم یہاں قلم وتحریر کی افادیت وضرورت کو قرآن وحدیث نیز اقوال سلف کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ۝

جس (اللہ) نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے (یعنی جس نے تعلیم کا واسطہ وذریعہ قلم کو بنایا) جس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (ترجمہ۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

مفسرِ قرآن، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ مذکورہ آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

"قلم یعنی تحریر ونوشت وخواند کی فضیلت کے لئے یہ نص کافی ہے۔ بلکہ یہ استنباط بھی بے جانہ ہوگا کہ تکوینی حقیقتیں بہت سی قلم ہی کے ذریعہ دریافت ہو سکی ہیں"۔

(تفسیر ماجدی ج ۷ ص ۵۷۱) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ طبع سال 2013ء

پیغمبر اسلام ﷺ کا فرمان ہے کہ

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسکو حکم دیا کہ لکھے اُس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھدیں یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش پر ہے۔

(معارف القرآن ج۸ص۷۸۵)

حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا؛

''کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہیں جانتے تھے اور ان کو جہل کی اندھیری سے نورِ علم کی طرف نکالا اور علم کتابت (تحریر) کی ترغیب دی کیونکہ اسمیں بے شمار اور (اتنے) بڑے منافع ہیں جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا'' (ایضاً)

حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا نہ دنیا کے کاروبار درست ہوتے۔ (ایضاً)

قلم کی برتری وافادیت ہمیں اس بات سے بھی واضح ہوگی کہ یہ (قلم) ان چار مخلوقات میں شامل ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔

حضراتِ اہل علم نے ہمیشہ سے ہی تصنیف وتحریر کا بڑا اہتمام والتزام کیا ہے اور اس اہم فریضہ سے، اس ابدی وکامل دین کو بدعات وخُرافات اور غلط تشریحات سے بخوبی محفوظ رکھا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی دینی حس اور مذہبی غیرت کی ہمیشہ سے حفاظت کی اور وقت کے کسی بڑے سے بڑے فتنہ کے سامنے سپر نہیں ڈالی۔ انہوں نے بدعات، رسوم اور شعائر جاہلیت کے مقابلے میں کبھی مُداہنت وتساہل سے کام نہیں لیا۔ جب غیر اسلامی تہذیب وبدعادات اور مُلحدانہ عقائد وخیالات کا سیلاب آیا تو وہ چٹان کی طرح اپنی جگہ قائم رہے، انہوں نے سب کچھ گوارا کیا مگر کسی خلافِ شریعت فعل اور کسی بدعت کے ساتھ رعایت نہیں برتی۔ انہوں نے مُحتاط محتسب اور رشریعت کے بے لوث منتظم کے ایسے فرائض انجام دیئے کہ ان کی دور بینی ونگاہِ احتساب سے کوئی تحریف اور کوئی بدعت ورسم بچ کر نہیں نکل سکی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج امت میں لاکھوں کی تعداد میں ایک طبقہ، جو زیادہ ذکی الحس، باوقار اور صاحب ذوق وشوق ہے، ان

بدعات سے محفوظ ہے۔ ان تمام کوششوں اور جدوجہد پر ان اکابرین کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔ (قارئین اگر ان اصحاب کی تفصیل میں جانا چاہیں تو تاریخ دعوت وعزیمت، مولف مولانا ابوالحسن ندویؒ کا مطالعہ مفید رہے گا)۔

لیکن اس کا مطلب یہ قطعی نہیں کہ اب اہل علم حضرات کو قلم اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ قرونِ اول سے خارجی اور داخلی دونوں سمتوں سے بے شمار فتنوں کے حملے ہوئے مگر ہر دور کے ارباب حق نے ان حملوں کا نقلی وعقلی اعتبار سے منہ توڑ جواب دیا اور اپنی بے لاگ جدوجہد سے امت کو ان فتنوں سے حسن خوبی سے بچایا۔ بعینیہ آج بھی دونوں سمتوں سے بڑے وخطرناک چیلنج اس وقت کے اہل علم حضرات کے سامنے پیش کئے جارہے ہیں۔ جن کا بحمداللہ بڑی امانت داری وحسن نیت کے ساتھ ہمارے کچھ علماء جواب دے رہے ہیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اکثریت میں ہمارے علماء اور جو بھی اہل علم صاحبان قلم وقرطاس کی اہلیت رکھتے ہیں، وہ اپنے آپ کو اہل حق علماء سے وابستہ کرکے باہم اتحاد واتفاق سے ان تمام اسلام دشمن تحریکوں وحملوں کا باریک بینی سے مطالعہ کریں جواب صرف باہر کی حد تک نہیں بلکہ اب ہمارے تعلیمی اداروں اور گھروں میں سر اٹھا رہے ہیں اور ہماری نئی نسل کو بے دین وشکوک وشبہات کا شکار بنانا چاہتے ہیں۔ اور صرف دفاع کی حد تک نہیں بلکہ اب جارحانہ رویہ اختیار کرکے یہیں سے ان کے بے بنیاد حملوں کے ڈھانچے کو زمین بوس کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمارے اہل علم حضرات کو نئے دور کے طرز تحریر وآج کی مروجہ عام زبان اور نئی نسل کے مزاج پر گہری نظر رکھنی ہوگی، تاکہ اہل حق کی دعوت حق کو صحیح طور سے سمجھنے میں انکو کوئی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

کسی ملک میں دین کی خدمت، اشاعت وترویج اور وہاں کی زندگی پر اثر انداز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دین کی خدمت کرنے والوں کو اس ملک یا علاقہ کی زبان اور ادب کا صاف ستھرا ذوق ہو اور وہ مذاق سلیم اور صحیح معیار کے مطابق اسمیں اظہار خیال کرنے کی قدرت، جیتی جاگتی اور آسان اندازِ بیان میں تصنیف وتحریر کی قابلیت واہلیت رکھتے ہوں۔

مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ماضی کے دقیقہ رس ودور اندیش علماء حق

واہل قلم کی تصویر کشی جس خوبصورتی سے پیش کی ہے اسکو ہو بہو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

''(ان) علماء کی ذہانت اور جذبہ خدمت نے کبھی کسی منزل پر قیام اور کسی لکیر کا فقیر بننا گوارا نہیں کیا، انہوں نے علم کے چلتے پھرتے قافلے کا ساتھ دیا، ان کا ہاتھ زمانہ کی نبض سے کبھی جُدا نہیں ہوا۔ انکی نگاہ زندگی کے بدلتے ہوئے تیوروں سے کبھی نہیں ہٹی۔ انہوں نے اسلام کی خدمت کے لئے جس زمانہ میں جس چیز، جس طرز اور جس اسلوب کی ضرورت سمجھی، بلا تکلف اختیار کیا''

(پا جا سراغِ زندگی ص ۱۱۱۔۱۱۲)

آگے، آج کے اس وسیع عہد وانقلاب پُر دور میں اہل علم حضرات سے مولانا موصوفؒ اس طرح مخاطب ہو رہے ہیں۔

''اس عہد انقلاب میں دین کی نمائندگی، تعلیمات اسلام کی ترجمانی اور نہ صرف ان کی تشریح وتفہیم بلکہ ان کی بلندی وبرتری کا نقش قائم کرنے کے لئے بڑی وسیع تیاریوں اور بڑی متنوع صلاحیتوں کی ضرورت ہے'' (ایضاً ص ۱۱۳)

یاد رہے کہ علم کی مکمل حفاظت ہمیشہ تحریر وتصنیف ہی سے ہوئی ہے۔ اگر حضرات خلفاء راشدینؓ نے قرآن کریم اور مفسرین کرام نے اس کی تشریح وتفہیم نیز محدثین عظام واہل سیر نے نے آپ ﷺ کی مبارک زندگی کو محفوظ نہ کیا ہوتا تو بعد میں آنے والی ساری امت کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ دین کی بقا ہمیشہ پہلے قلم وتحریر اور بعد میں عمل سے ہوئی ہے۔ اگر قلم سے علم محفوظ نہ ہو تو، عمل بذریعہ تواتر میں شعوری وغیر شعوری طور پر نئی نئی غیر ضروری باتیں آسانی سے شامل ہو جائیں گی۔

آخر میں اس آرٹیکل (Article) کا اختتام احقر ''مفسرِ قرآن، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ کے اس اظہار تأسف سے کرتا ہے جو انہوں نے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔

حضرت لکھتے ہے کہ.....

''علماءِ سلف وخلف نے ہمیشہ تعلیم وکتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے جس پر ان کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاہد ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء وطلباء نے اس

اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر وکتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں''۔

(معارف القرآن ج ۸ ص ۷۸۶)

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اخلاص، استقامت وعافیت کے ساتھ دین کی محنت میں لگا دے۔ آمین ثم آمین

طالب دعا

احقر ملک محمد جاوید

۲۶ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ

مطابق 16 مئی 2015ء

بمقام اچھ بل رفیع آباد

سمینار کے متعلق شرکاء کے تاثرات

(مرتب) سالکؔ بلال نائب سرپرست ماہنامہ ھٰذا

(۱)

اس موضوع پر سمینار منعقد کرنا ایک قابل صد فخر و تحسین کارنامہ ہے، جس کے لیے میں ''مجلس علمی'' کے محرک اور قائد مولانا غلام نبی وانی آسیؔ صاحب کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ انہیں اس مشن میں کامیاب کرے، جسکا علم لیکر وہ ایک مبارک منزل کی طرف گامزن ہیں۔ اسکے ساتھ ہی ان کے رفقاء کار بھی آفرین اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے اس سمینار کو کامیاب بنانے کے لیے شب و روز کاوشیں کر کے کامیاب بنایا۔ مجلس علمی کے زیر اہتمام اس سمینار میں جتنے بھی مقالے پڑھے گئے انتہائی پُر مغز اور مفید تھے۔ جن کے سننے کے بعد ہمارے معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوا۔ ایک بات کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ مقررین نے صرف موضوع کے مطابق ہی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مسالک کے اختلافی مسائل اور نِکات کو نہ چھیڑا۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ میں مصنفین و مؤلفین کی خدمت میں یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ آئی ٹی (intformatiom technology) کی یلغار کے باوجود علمی، تصنیفی، تالیفی کام کو نہ چھوڑیں۔ Inter Net کتاب کا مقابلہ نہیں کرسکتا، بلکہ کتاب کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے، لیکن کتاب آخر کتاب ہے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ قلم کی حکمرانی کی کئی مثالیں ہیں۔ میرا یہ ماننا ہے کہ جس گھر میں کتاب نہیں وہ گھر قبرستان ہے۔ اور جس گھر میں قرآن نہ ہو وہ گھر گھر نہیں شمشان ہے۔ اللہ آپکو اپنی کوششوں میں کامیاب کرے۔ آمین۔

احقر راجہ نذرؔ بونیاری

(۲)

پیغمبر اسلامؐ نے تبلیغ و دعوت کا طریقہ متعین نہیں کیا۔ شاید اس میں یہ حکمت بھی رہی ہوگی کہ

ہر دور میں لوگوں کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے اور وہ دعوت حق کو سمجھنے کا اپنا اسلوب و ڈھنگ رکھتے ہیں۔

ادارہ ''راہِ نجات'' میرے خیال میں اس وقت ایک بڑا ہی اہم ادارہ ہے۔ جو نئی تہذیب کے دلدادوں (یعنی نوجوانانِ اسلام کو دین حق سمجھانے میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ اس طرح کے سمینار قائم کرنا بہت اچھی افادیت رکھتا ہے۔ اس طرح کے سمینار بار بار قائم ہونے چاہیں۔ تاکہ دین حق کی تبلیغ و ترویج کا کام نئے ذہنوں میں جاگزین ہوجائے۔

جاوید احمد ملک اچھہ بل رفیع آباد

اسلامک ریسرچ سٹوڈینٹ

(۳)

زمان و مکان کے سوالات اور چیلنج کا مثبت طریقہ سے مقابلہ کرنے والا فرد، جماعت یا قوم زندگی کا حق ادا کرنے کا متحمل کہلا سکتا ہے۔ (۲) ماضی، حال اور مستقبل کو ایک آئینہ میں ڈالنا اور تحقیق کے ترازو پر کھڑا کرنا قوم کو زندہ رکھنے کی ضمانت ہے۔ علم، تجربات اور تحقیق ایک تسلسل کا نام ہے۔ اس عمل کو وقت کے دائروں میں بند کرنا تباہ کن عمل ہے۔ (۳) آئندہ نسلوں کو الکتاب یعنی قرآن کریم اور سنت رسولؐ سے آراستہ کرنا اور جدید علوم کی روشنی مین تجدید کا عمل جاری رکھنا واحد صورت حال ہے جو قوم کو مستقبل کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت سے آراستہ کرسکتا ہے۔

پروفیسر محمد حسن آفتابؔ

(۴)

محترم المقام جناب وانی صاحب اسلام علیکم

مجلس علمی کے مبارک قیام پر آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ جناب محترم آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ موجودہ معاشرہ کس حد تک الحاد و دہریت، بدعات و خرافات، رسم و رواج کے فرسودہ بندھن میں گھر چکا ہے۔ تحریر و تصنیف کی اہمیت اپنی جگہ لیکن علمائے کرام پر عموماً اور مفتیانِ عِظام پر خصوصاً اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مربوط اور مستحکم بنیادوں پر اس پلیٹ فارم کو موجودہ بُرائیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے بھرپور طریقے سے استعمال کریں

۔غافل و بے حس مسلمان اس وقت اگر چہ بُرائیوں میں لت پت ہیں تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر اس میں دینی تخم ریزی مؤثر طور سے کی جائے، تو ان کی ذہن سازی عین ممکن ہے۔

محترم المقام اس قوم کی موجودہ حیثیت تن ہمہ داغ داغ شُد کے مصداق ہے کہ چند سماجی بُرائیوں کی طرف توجہ دلا کر اگر ہمارے مفتیان عظام اس پر شرعی نقطۂ نظر سے غور وفکر کر کے ایک اجتماعی فتویٰ صادر فرمائیں گے، تو مجھے امید قوی ہے کہ اس پر کسی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ شادی بیاہ میں فضول خرچی، دلہن کے گھر بارات لیکر جانا، دلہنوں کو لینگا پہنانا، جوان لڑکیوں کے لیے درآمدی باریک لباس، جو کہ بالکل ساڈھیوں پر مشتمل ہے۔ بہاری غیر مسلمین کے ذریعے منقش مہندی لگوانا، مردوں کا کان چھیدنا، کلائیوں پر اجمیری لال اور کالے رنگ کے دھاگے باندھنا، شادی بیاہ کی تقریبات پر بجلی کا چراغاں کرنا، پٹاخے سر کرنا وغیرہ۔ امید ہے ایک دردِ دل رکھنے والے دین پسند بزرگ کی حیثیت سے غور وفکر فرما کر واجب الاحترام مفتیانِ عظام کو اس طرف توجہ دلا کر ایک جامع اجتماعی محفل کے ذریعے فتویٰ صادر کرائیں۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

خیر اندیش دعا گو
نذیر احمد ڈینٹھو
خواجہ باغ بارہولہ۔

(۵)

جاری سمینار اپنی نوعیت کا ایک منفرد سمینار ہے جس میں مفتی اسحاق صاحب، مفتی عبدالرحیم صاحب الحسنی، مولانا عبدالقیوم صاحب جیسے جید علماء کے علاوہ مشہور و معروف اسکالروں کا اجتماع واقعۃً قابل دید تھا۔

ڈاکٹر نذیر صاحب نے مختلف ایسے رموز کی طرف اشارہ کیا جن سے مجھے ذاتی طور بہت فائدہ ہوا۔ جہاں تک اصلاح کی بات ہے تو عرض یہ ہے کہ وقت کی اہمیت کا خیال آئندہ رکھا جائے اور بار بار ایسی مجالس کا انعقاد کیا جائے۔

مولانا طالب بشیر ندوی صاحب

(۶)

محترم المقام جناب غلام نبی آسی صاحب حفظهم الله کی محنتوں اور کاوشوں کی بدولت آج کی تاریخ میں یہ عظیم الشان علمی سمینار بعنوانِ ''تصنیف و تالیف کی اہمیت اور مسلمان علماء کی ذمہ داریاں'' منعقد کیا گیا۔ راقم نے شرکت کر کے اس کا اندازہ کیا کہ ہماری وادی ان جیسے خوبصورت اور اہم پروگراموں سے آج تک محروم رہی۔ محترم موصوف قابل مبارک باد ہیں۔ تجویز کے طور پر یہ گذارش ہے کہ ایسے پروگرام مسلسل ہوں اور نئے نئے عنوانات سے علمی مجالس کا انعقاد اس اکیڈمی کا اجنڈا رہے۔

(مولانا) محمد سلطان ندوی
سراج العلوم سرینگر

(۷)

اسلام کے تعلق سے سمینار کرنا بذات خود ایک خوش آئند اقدام ہے۔ اس قسم کے سمینار اور مذاکرات اگر چہ دنیائے اسلام کے ہر ملک اور شہروں میں انعقاد پذیر ہوتے رہتے ہیں تاہم جہاں تک ان کے اثرات کا تعلق ہے عامۃ المسلمین پر اس کا دور دور تک شائبہ نظر نہیں آتا ہے۔ میرے نزدیک اسکے پیچھے علمائے کرام کا وہ تضاد کارفرما ہے جو مختلف مسلکوں کی رسہ کشی سے ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ عام مسلمان کی سمجھ میں یہ بات کارے دارد والا معاملہ بن گیا ہے کہ وہ کس مسلک کی پیروی کریں کس مسلک سے اعراض کریں۔ جب تک ہر مکتب فکر کے علماء (خواہ وہ کسی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں اور اللہ و رسول ﷺ کے پیغام کو فروغ دینے کے لیے کمر بستہ ہوں) اپنے مسالک کے فروعی معاملات سے دست کش ہو کر ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک نہ ہو جائیں تب تک مسلم امۃ اپنی کھوئی ہوئی اس میراث کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوگی جس کے مسلمان قرن اول یا سات آٹھ سو سال تک وارث تھے۔ اس لیے میری رائے ہے کہ دین کے سلسلہ میں جو کام ہمارے علمائے کرام انجام دے رہے ہیں وہ تب ہی اپنے ثمرات سے گلشن اسلام کو بار آور کر سکتے ہیں جب وہ خلوص نیت کے ساتھ گروہی سیاست سے بالاتر ہو کر دین کی خدمت میں جٹ جائیں۔ وما علینا الیٰ البلاغ۔

خالق پرویز بارہمولہ

(۸)

آج مورخہ ۷ شعبان ۱۴۳۶ھ بمطابق ۲۶ مئی ۲۰۱۵ء بروز منگل منعقدہ سمینار در لون کمپلکس بارہمولہ بر موضوع (عصر حاضر میں تحریر وتصنیف اور مسلمان اہل علم ودانش کی ذمہ داری) میں حاضری نصیب ہوئی چنانچہ جن جن مقالہ نگار حضرات نے مقالے پیش کیے احقر کی ناچیز رائے اس بارے میں یہ ہے کہ جو قدم اس بارے میں اٹھایا گیا ہے کہ مستشرقین اور باطل قوتیں اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنا کر اسلام کو داغ دار اور مسلمانوں کو بے دین بنانا چاہتے ہیں اگر یہ کام علمائے امت اور دانشوران اسلام کی سرپرستی میں مستشرقین کے اس بطلان باطل کو احقاق حق سے رد کرنے تک محدود رہے گا تو اس کی افادیت کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اور اگر علماء ودانشواران امت کا ملاپ کرانا ہے تب بھی بہت بڑی افادیت امت کے سامنے آئے گی۔ ایسا کرنے سے دانشوران امت کے قلم سے اہل حق کی ترجمانی بخوب ہو سکتی ہے۔ اور اگر مخصوص اغراض ومقاصد پیش نظر ہیں تو انا للہ و انا الیہ راجعون۔

محمد حسن القاسمی

مدرس دار العلوم المصطفوی توحید گنج بارہمولہ ساکنہ جانباز پور بارہمولہ

(۹)

آسی نے یاس کو آس میں بدل دیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

ڈاکٹر محمد فاروق دیوا

(ایسوشیٹ پروفیسر گورنمنٹ ڈگری کالج فار وومن پلوامہ ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ عربک)

(۱۰)

آج بتاریخ ۲۶ مئی ۲۰۱۵ء احقر اس علمی مجلس میں شریک ہوا۔ میرے لیے یہ لمحات سونے سے بھی زیادہ قیمتی تھے کیونکہ مجھے ایسی باتوں کا علم ہوا جو پہلے معلوم نہیں تھیں دوسرا یہ کہ ایسے افراد کا تعارف ہوا جو میری نظر میں علم کا سمندر ہیں۔ لیکن ماحول نہ ملنے کی وجہ سے ان کے علوم ان

کے سینوں میں ہی رہتے ہیں اس لیے آپ سے بڑی التماس ہے کہ آپ اس دائرہ کو وسیع کریں جہاں ہماری ضرورت ہو وہاں ہم آپ کو بھرپور ساتھ دیں گے۔ آپ کے دینی بھائی

مولوی جاوید احمد کانسپورہ

ظہور احمد خان کانسپورہ

(۱۱)

تمام حمد وثنا اللہ رب العزت ہی کے لیے ہیں درود وسلام ہو رحمۃ اللعالمین ﷺ پر اور آپ کے اصحاب واہل بیت پر اما بعد آج 26.5.15 کو سیمینار میں شرکت کا موقعہ ملا تمام مقالہ نگاروں کے مقالات سن کر احساس ہوا کہ ہم اس میدان میں کتنے پیچھے ہیں لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے پروگرام ہر ضلع اور تحصیل میں ہوں تمام عناوین کو سامنے رکھتے ہوئے مقالہ نگاروں کو ہر موضوع پر بات کرنے کی تلقین کی جائے جیسے معاملات، معاشرت، اخلاقیات۔ چونکہ آج کل مسلمانوں کی معاشرت، معاملات اور اخلاق اتنے بگڑے ہوئے ہیں کہ کبھی کبھی غیر مسلم لوگ بھی ہم کو دیکھ کر شرماتے ہیں۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں میں بھی اصلاحی کام کا آغاز ہو جائے، کیوں کہ اگر اس صنف نازک کو اسی طرح چھوڑ دیا گیا تو پھر ہماری بربادی عنقریب ہے۔ نیز مقالات میں منشیات اور دیگر غیر اخلاقی اور حیا سوز حرکتوں کو مٹانے کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کرائی جائے انشاء اللہ اُمید ہے کہ یہ قدم آگے ہی بڑھتا جائے گا اور تمام بُرائیوں کا قلع قمع ہو جائے گا اور تمام دنیا میں اللہ کی مرضی اور نبی کا طریقہ زندہ ہو جائے گا اسی میں ہم سب کی کامیابی ہے والسلام علیکم ورحمۃ و برکاتہ

سجاد احمد ابن بشیر احمد

خادم مدرسہ محمودیہ بونیار ضلع بارہ مولہ کشمیر

(۱۲)

مقالے کا عنوان تھا ''عصر حاضر میں تحریر وتصنیف اور مسلمان اہل علم کی ذمہ داری''

(۱) بعض مقالہ نگاروں نے تاریخی تناظر میں مسلمانوں کی علمی کاوشوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ حالانکہ مقالے کی غرض موجودہ زمانے میں تحریر وتصنیف کی اہمیت کو واضح کرنا تھا۔

(۲) ''مسلمان اہل علم کی ذمہ داری'' کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ مسلمان اہل علم کی ذمہ داریاں واضح نہیں ہوئیں۔

(۳) مقالہ پڑھنے کے لیے وقت بہت کم دیا گیا۔

(۴) بعض مقالہ نگاروں نے غیر متعلق باتیں کیں۔

سیمینار ماشاءاللہ بہت کامیاب رہا۔ سامعین نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے مقالات کی سماعت کی۔ انتظامات معقول تھے۔ مقام سیمینار تک رسائی سہل الحصول تھی۔ سیمینار کے ذمہ داروں کا اخلاص ظاہر و باہر تھا۔ مجلس روحانی تھی۔ **جز اکم اللہ احسن الجزاء فی الدّارین۔**

(ڈاکٹر) شکیل شفائی

لیکچرار شعبہ تعلیم حکومت جموں و کشمیر

(۱۳)

متوقع مقالہ نگاروں سے رابطہ رہے اور انہیں مقالہ کم از کم وقت میں مکمل کر کے بھیجنے کی ترغیب دیں۔ جو حضرات نہ آسکے ان سے بھی رابطہ رہے۔ ماہ نامہ راہِ نجات کی اشاعت میں توسیع ہو۔ روز ناموں میں اور مختلف چینلوں کے ذریعے اس سیمینار کی کاروائی لکھی جائے اور شائع ہو اور عوام الناس کو اس کی عکس بندی سے مطلع کیا جائے۔ جدیدیت اور قدیمیت کے درمیان نقطۂ اعتدال پر نظر رہے۔ اس قسم کے سیمینار اور کانفرنس مرکزی جگہوں میں سال میں کم از کم دو تین بار ہُوں۔ یہ چند رائیں ذہن میں آئی ہیں

ملتمس: محمد اسحٰق نازکی

بانڈی پوری کشمیر

(۱۴)

مولانا طالب بشیر ندوی صاحب کے مقالے میں یورپی مصنفین کی تحریروں میں اسلام کے متعلق اسلام ہی کے نام پر زہر اگلنے کا تذکرہ ہے۔ اور خبردار کیا گیا ہے کہ صف بستہ ہو کر اسکے خلاف مورچہ بندی ضروری ہے۔

(مولوی) غلام محمد پرے لاوے پورہ سرینگر

(۱۵)

مکرمی جناب غلام نبی وانی صاحب اخلاص کی بنیاد پر اگر یہ مجلس جاری و ساری رہی اور علماء کے مشوروں سے آرستہ ہوگی تو انشاءاللہ عوام الناس کو کافائدہ ہوگا۔ اللہ تعالی آپ سے زیادہ سے زیادہ دین کا کام لے۔

سید عبدالرحمان گیلانی

امام و خطیب جامع مسجد عثمان توحید کالونی کانسپورہ بارہمولہ کشمیر

(۱۶)

محترم غلام نبی آسی صاحب اسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مجھے ذاتی طور پر بہت مسرت ہوئی۔ بہت سے دانشوروں و علماء کے مقالے سن کر محسوس ہوا کہ واقعی دینِ اسلام کی خدمت میں لگے ہیں۔ یہ بات ضروری ہے کہ اس جدید دور میں جہاں اسلام کے خلاف conspiration استعمال کی جارہی ہے اس کو ناکام کرنے کے لیے ایسی مجالس کا انعقاد کرنا بہت ضروری ہے۔ ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ علم بہت ضروری چیز ہے اس سے ہمیں قرآن کی پہچان اور اس کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ انگریزی میں ایک محاورہ ہے ''A pen is mighter than sword'' قلم کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ قرآن میں بھی قلم کا تذکرہ موجود ہے۔ اس لیے ہمیں ایسی ادبی و دینی مجالس میں ضرور شرکت کرنی چاہیئے۔

میری ادنیٰ رائے یہ ہے کہ ایسی تقاریب، سیمینار سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں منعقد کرائی جائیں تا کہ ہونہار، دینی اور ادبی ذوق رکھنے والے طلباء بھی اپنا contribution ادا کریں۔ باقی وسلام

جاوید احمد میر ساکنہ گانٹہ مولہ (استاد محکمہ تعلیم)

(۱۷)

مسلمانوں کے بہت سے فرقے وجود میں آگئے ہیں۔ اس سے عام مسلمانوں میں بدظنی پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے اس کے متعلق علم اور قلم رکھنے والوں کو لکھنا چاہیے تا کہ اصلاح ہو جائے۔

حاجی فاروق احمد شاہ ساکنہ کچھامہ بارہ مولہ (رٹائرڈ ہیڈ ماسٹر)

(۱۸)

آج کی اس مجلس پُر نور و پُر وِقار کا انعقاد کرنے کے لیے ادارہ راہِ نجات، جس کی سربراہی آسی غلام نبی وانی صاحب کر رہے ہیں قابل تحسین ہے۔ ماشاء اللہ شرکائے مجلس کی تعداد تسلی بخش تو تھی، تاہم اس مجلس کی اِفادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے شرکاء کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہونی چاہئے تھی۔ اس مجلس کو مجلس علمی کا نام دے کر یہ لگا کہ یہ نام موزون نہیں ہے۔ گرائمر کے لحاظ سے اس کا نام یا تو مجلس علم یا مجلس اسلامی علوم رکھا جاتا تو زیادہ موزون لگتا۔ بہر حال یہ ایک الگ بحث ہے جو الگ سے کی جا سکتی ہے

مجلس بہر حال پُر وقار ہوتے ہوئے کام دل کے لیے فرحت آرا رہی۔ ماشاء اللہ جس مجلس میں ذکر خدا، ذکر رسولؐ اور قرآن وسنت کا تذکرہ کیا جائے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ایسی مجالس کا انعقاد اب ہمارے ہاں خال خال ہی ہوتا ہے اس لیے ادارہ اور اسکے جملہ اراکین مبارک باد کے مستحق۔ خدا کرے ایسی کاوشوں میں روز بہ روز اضافہ ہو اور سارے مسلمان راہِ نجات کی طرف گامزن ہوں۔

جعفر علی آثر دلنوی

(نوٹ) محترم جعفر علی آثر صاحب دلنوی نے جو نقطہ ابھارا ہے اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جہاں تک زیر بحث اس ایک خاص مجلس کا تعلق ہے، تو یقیناً اس کو مجلس علم کہنا ہی موزون ہے لیکن جہاں تک اس انجمن کا تعلق ہے، جو ان علمی مجالس کا انعقاد کرائے اسکو مجلس علمی کہنا ہی مناسب تر ہے، کیوں کہ مجلس علمی دراصل ایک **literary institute** ہے چنانچہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے اپنی اردو انگلش ڈکشنری میں مجلس علمی کا ترجمہ **A literary institute** ہی لکھا ہے اور امام العصر مولنا انور شاہ کشمیریؒ نے علم و ادب کو فروغ دینے کے لیے جو مجلس قائم کی تھی اس کا نام انہوں نے مجلس علمی ڈابھیل رکھا تھا اور اسی کے اتباع میں ہم نے اس مجلس کا نام مجلس علمی جموں وکشمیر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ مؤلّف فرہنگ آصفیہ مولوی سید احمد دہلوی نے مجلس علمی کا ترجمہ علمی سوسائٹی اور انجمن علوم لکھا ہے (دیکھئے فرہنگ آصفیہ جلد چہام صفحہ ۲۹۴) اس کے علاوہ **الامعجم الوسیط** میں **المجلس** کا معنی

مکان الجلوس کے علاوہ **الطایفة من الناس تخصص للنظر فی ما ینادتُ بها من اعمال .ومنه: مجلس الشعب ،ومجلس العموم و مجلس الاعیان والمجلس الحسبی** لکھا ہے اسی ترکیب کے تناظر میں **المجلس العلمی** ایک صحیح اور درست ترکیب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واقعۂ معراج

سب سے بڑا معجزۂ نبوی ﷺ

(ماہ رجب المرجب کی نسبت سے ایک خصوصی مضمون)

(مفتی محمد اسحٰق نازکی)

بہت نظر آئے لیکن اس شان کا بندہ
نہ بالائے فلک پایا نہ زیر آسمان دیکھا

ہجرت سے چند سال قبل مکی عہد میمون کے آخری مرحلوں میں جب کہ جناب ابو طالب جیسے شفیق و رفیق چچا اور حضرت خدیجہ جیسی غم گسار اور وفا شعار اہلیہ محترمہ اس دار فنا سے دونوں یکے بعد دیگرے رخصت ہو چکے تھے اور ادھر طائف کا انتہائی پر مشقت دعوتی سفر اپنے تمام زہرہ گداز و روح فرسا مراحل کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا تو حضرت ختمی مرتبت (ذاتی و زمانی اور مرتبی و مکانی) نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو معراج شریف کا اعلیٰ ترین اعزاز و اکرام کا منصب عطا کیا گیا جس میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ثانی نہیں۔

واقعہ معراج قرآن کریم کے (پ ۱۵) سورہ بنی اسرائیل (سورہ اسراء) کی ایت نمبر ۱ اور (پ ۲۷) سورۃ والنجم کی آیات (۱۳ تا ۱۸) میں بیان کیا گیا ہے۔ احادیث شریفہ صحیحہ صریحہ مشہورہ اور اخبار آحاد میں اس کے تمام جزئیات کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ صاحب تفسیر علامہ ابن کثیرؒ نے پہلی آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ واقعہ معراج کے حق ہونے پر تمام اہل اسلام کا سلفاً و خلفاً اتفاق ہے۔ ہاں زندیقوں، ملحدوں اور بے دینوں نے اس کا انکار کیا ہے۔

وَ الاسراء اجمع علیه المسلمون و اعرض عنه الزنادقة و الملحدون (تفسیر ابن کثیر عربی پ ۱۵) علم العقائد والکلام (مثلاً عقیدۃ الطحاوی اور شرح عقائد نسفیہ) نیز سیرت طیبہ کی تمام متداول و مستند کتابوں میں واقعہ معراج کو عقیدے کی حیثیت سے اور تاریخی تواتر کے ساتھ مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ الحمد للہ

سبق ملا ہے معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

پورے واقعہ معراج کا خلاصہ یون ہے کہ خالق ارض و سماء اور مالک زمین و زمان حضرت حق جل شانہٗ کے حکم سے امام الانبیاء والمرسلین یعنی سب سے عظیم انسان و برگزیدہ ترین رسول، نیلگوں آسمان کے نیچے اور فرش خاک کے اوپر افضل ترین بشر و نبی سیدنا حضرت محمد عربی ﷺ نے کائنات عالم کا طویل ترین سفر رات کے مختصر ترین وقت کے اندر بے شمار عجائب و غرائب کا بچشم خود مشاہدہ فرما کر بروحہٖ و جسدہٖ (بحالت کامل بیداری) طے فرمایا۔ اس طرح مسجد حرام (مکہ شریف) سے مسجد اقصیٰ (فلسطین) تک کا سفر اسراء عالم ارضیات کا پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک کا سفر عروج عالم افلاک کا، نیز عالم لاہوت اور عالم ملکوت کا پھر وہاں سے عرش اعظم تک کا سفر منتہائے کائنات عالم مشاہدہ و یقین کا سفر ٹھہرا۔ بہ الفاظ دیگر زمینی سفر پھر ایوان قدرت میں حاضری کا سفر۔ اس طرح یہ سفر مبارک از اول تا آخر ہمارے پیارے آقائے مدنی (ﷺ) کا سب سے بڑا علمی و عملی، احسانی و عرفانی اور حسی و عقلی معجزہ ٹھہرا ۔

شان معراج سے یہ عقدہ کھلا کہ
مرکز عشق ہے خاتم الانبیاء

چند معارف و اسرار متعلقہ بہ واقعۂ معراج

۱ معراج کو واقعہ اسراء بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ سارا سفر مبارک راتوں رات بحالت کامل بیداری ہوا اور اس عظیم معجزہ کو معراج بھی کہتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں (ثم عرج بی) (جلالین پ ۱۵) آیا ہے یعنی پھر مجھے اوپر لے گئے۔ یہ لفظ ''مصدر عروج'' سے نکلا ہوا ہے۔ اسم آلہ ہے یعنی ذریعہ عروج یا یہ لفظ خود مصدر کے معنی میں ہے جیسا کہ علمائے صرف و نحو نے لکھا ہے یعنی اوپر چڑھنا۔ مسجد اقصیٰ سے ساتویں آسمان تک کے سفر میں معراج (سیڑھی، زینہ، یعنی خدائی ایکسیلیٹر) کا استعمال ہوا ہے۔ اسی لیے ان وجوہ کی بنا پر اس سفر یا اس پورے واقعہ کو معراج کہا جاتا ہے۔

۲ سدرۃ المنتہیٰ یعنی بیری کا درخت؟ واللہ اعلم بالصواب۔ اس کی حقیقت خالق حقائق ہی جانے۔ تاہم وہ کائنات عالم کا صدر دفتر ہے۔ ہر وہ امر، شئے اور فیصلہ جو اوپر جائے یا وہاں سے

نیچے آئے بہر حال یہاں آکر ان تمام امور، اشیاء اور قضایا کی انتہاء ہوتی ہے۔اس کی جڑیں ساتویں آسمان میں اور اس کی شاخیں ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہیں۔(سیرۃ المصطفیٰ ج ۱) تاہم یہ متشابہات میں سے ہے یعنی اس کی حقیقت حضرت حق جل مجدہٗ کے سوا یقینی طور پر کوئی نہیں جان سکتا۔حضرت امام دار الہجرۃ مالکؒ بن انس نے متشابہات کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کے معانی معلوم ہیں لیکن ان کی کیفیات مجہول ہیں۔مگر ان پر ایمان لانا فرض اور ان کے بارے میں بلاوجہ کھوج وکرید کرنا بدعت اور نادرست ہے **معانیھا معلومۃ و کیفیتھا مجھولۃ والایمان بھا واجبٌ و السوال عنھا بدعۃ** (حاشیہ عقیدۃ الطحاوی) کیوں کہ

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

(۳) میدانِ حشر میں آقائے مدنی ﷺ کا سب سے بڑا امتیازی مقام شفاعت کُبریٰ ہے۔جو بوجہ تواضع مع الخلق آنحضرت ﷺ کو ملا ہے۔یہی تواضع آپ ﷺ کا خُلق عظیم ہے، جس پر آپ ﷺ بنص قرآن فائز ہیں۔جیسا کہ ارشاد باری ہے **وانک لعلیٰ خلق عظیم** (سورہ ن پ ۲۹) دار دنیا میں ختم نبوت آپ ﷺ کا سب سے بڑا اعزاز ہے جو بوجہ جامع جمیع کمالات نبویہ اور فضائل بشریہ وملکیہ عطا کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے ''**وختم بی النبیون**''۔اس طرح یہ فضیلت معراج آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا اعجاز ہے جو بوجہ تواضع مع اللہ سبحانہ وتعالیٰ عنایت کیا گیا اور کمال عبدیت کا ثمرۂ عظیمہ ٹھہرایا گیا

نہ تیری آنکھ دیکھے نہ چشم انبیاء دیکھے
مجھے اگر دیکھے تو نگاہِ مصطفیٰ دیکھے ﷺ

(۴) اتنا اونچا منصب ومقام (حسی ومعنوی) عطا کیا گیا مگر اس کے باوصف اسریٰ بعبدہٖ یعنی بہر حال محمد ﷺ حضرت اللہ جل جلالہ کے بندے ہیں۔**برسولہ، بنبیہٖ، بمحمدہٖ** نہیں کہا گیا آخر کیوں؟ اس لیے کہ:۔

براویت ام المومنین سیدتنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: ایک مرتبہ ایک فرشتے نے (بارگاہِ نبوت میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کے بعد) عرض کیا: اگر آپ چاہیں تو عبدیت والے

نبی بنیں (بظاہر فقر وفاقہ اور مسکنت والی زندگی جیسے حضرت عیسیٰؑ ویحییٰؑ وزکریاؑ) اور اگر چاہیں تو بادشاہت والے نبی بنیں (ظاہری جاہ وحشمت اور دبدبہ وثروت جیسے حضرت داؤد، حضرت سلیمانؑ اور حضرت یوسفؑ کو نبوت ورسالت کے ساتھ ساتھ حکومت وثروت بھی خوب حاصل تھی) تو (یہ سن کر) آں حضرت ﷺ نے مشورہ لینے کے لیے (سید الملائکہ حضرت جبرئیلؑ کی طرف دیکھا تو انہوں نے تواضع (یعنی پہلی صورت اختیار کرنے کا (الہامی ورحمانی) مشورہ دیا۔آنحضرت ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔صداقت مآب، کاشانۂ رسالت پناہ، کاشانۂ رحمت پناہ اماں جان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسکے بعد آنحضرت ﷺ نے کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا (مشکواۃ شریف) حضرت حق جل مجدہ نے اپنے محبوب کی اسی پسندیدہ رائے کے تحت بعبدہٖ فرمایا۔سچ ہے۔

مرحبا! سید مکی مدنی العربی
دل وجان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

نیز بروایت: شب وصل ولقاء یعنی معراج کی رات میں حضرت اللہ جل جلالہ نے پوچھا: اے محمد ﷺ آپ کو اپنے لیے کون سا لقب سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: آپ کا عبد ہونا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے تو اسی پسندیدگیٔ محبوب کی بناء پر آیتِ اسراء نازل ہوئی۔سیرۃ المصطفیٰ ج (۱)

(۵) بعبدہ کہنے میں امت اور بندوں پر حضرت حق جل مجدہٗ کے عظیم احسان وانعام کا اظہار ہے کہ امت اور بندے کہیں اتنے عظیم منصب پر فائز ہونے کی صورت میں آپ ﷺ کو خدا نہ سمجھیں جیسا کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ سے مافوق العادات امور خارقہ عجیبہ کے صادر ہونے کی صورت میں حضرت اللہ جل جلالہ اور حضرت عیسیٰؑ کے حق میں سخت گستاخی کے مرتکب ہوئے کہیں ان ہی کو خدا کہا یا خدا کا بیٹا کہا یا خدائی اوصاف میں انہیں شریک جانا۔**نعوذ باللہ العظیم من الشرک و الظلم العظیم**۔ بہر حال آنحضرت ﷺ اس کے باوصف بندے ہی ہیں خدا نہیں ہیں۔رسول ونبی ہیں۔چنانچہ کلمۂ شہادت میں وصف عبدیت کو تاکیداً بار بار مقدم کر کے اس کا اعلان کر دیا گیا ہے۔**واشھد ان محمد عبدہ و رسولہ** ﷺ

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آسان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

اس موقعہ پر سیدنا حیدر کرار شیر جبار علی مرتضیٰؓ خلیفہ چہارم یارِ باصفا و باوفا کا قول یاد آرہا ہے **الجاھل اما مفرط او مفرط** کہ جاہل کبھی اعتدال پر نہیں رہتا وہ لازمی طور پر افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے چنانچہ کبھی وہ نبی کو بالکل اپنا جیسا سمجھتا ہے اس طرح صاحب نبوت میں بشری کمزوریوں کو ڈھونڈتا ہے اور سخت گستاخی کا مرتکب بن جاتا ہے اور کبھی اسی کو خدا سمجھ بیٹھتا ہے مختار مطلق اسی کو جانتا ہے اس طرح اللہ جل جلالہ کی شانِ رفیع میں بے ادبی کرتا رہتا ہے یقیناً یہ دونوں طبقے گمراہ ہیں۔ جبکہ راہِ اعتدال یہ ہے کہ عقیدۂ توحید راسخ ہو، عظمت رسالت پیش نظر ہو اور احترام اولیاء و صلحاء ملحوظ خاطر رہے۔ اس طرح فرق مراتب رہے ؎

محمد بشر لا کالبشر یاقوت حجر لا کالحجر

یعنی سیدنا محمد ﷺ تو انسان ہی ہیں مگر عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں، جس طرح یاقوت تو ایک پتھر ہے مگر عام پتھروں کی طرح نہیں ہے کیوں کہ ؎

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

(۶) مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر نصِ صریح سے ثابت ہے اس کا انکار کرنا کفر صریح ہے پھر سدرۃ المنتھیٰ تک کا سفر اِشارۃ النص اور احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اسکا انکار کرنا گناہ عظیم ہے، پھر اسے آگے کا سفر اخبار آحاد سے ثابت ہے، جس کا انکار کرنا بدعت اور جرم ہے (خلاصۂ مفہوم از شرح عقائد و عقیدۃ الطحاوی مع حواشی)

دو چشم نرگسینش را کہ مازاغ البصر خوانند
دُو زُلف عنبرینش را کہ واللیل اذا یغشیٰ ﷺ

(۷) سدرۃ المنتھیٰ پر پہونچ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو دوسری مرتبہ اپنی اصلی شکل وصورت میں دیکھا بس یہاں آکر سید الملائکہ کی پرواز کی انتہاء ہوگئی اور حضرت سید الانبیاء و الرسل ﷺ کی پرواز کی ابتداء ہوئی۔ یاد رہے کہ بالکل ابتدائے وحی میں آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل کو اپنی اصلی شکل میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ بقول عارف شیرازی سعدی (علیہ رحمۃ الباری)

بدو گفت سالارِ بیت الحرام
کاے حاملِ وحی برتر خرام
بگفتا فراتر مجالم نماند
بماند مکہ نیروئے بالم نماند
اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

(۸).....سدرۃ المنتھیٰ سے آگے کا سفر رفرف یعنی سبز مخملی جنتی شاہی تخت کے ذریعہ ہوا، جس کی کیفیت مالِک دو جہاں خدائے علام الغیوب ہی جانتے ہیں۔ براق بجلی کی تیز رفتار سواری فی سیکنڈ لاکھوں میل کا سفر طے کرنے والی ایک مخصوص جنتی سواری برائے انبیاء کرام بالخصوص حضرت خیر الانام ﷺ کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں اس کے قدم پڑتے تھے۔ (جلالین شریف پ ۱۵) چنانچہ فزیکس **physics** (طبعیات) میں سب سے زیادہ تیز رفتار بجلی اور روشنی **(light and electricity)** کو بتایا گیا ہے۔ برق (بجلی) سے براق صیغۂ مبالغہ ہے جو اسم علم ہے یعنی وہ سواری جس کی تیز رفتاری بجلی اور روشنی سے بھی بہت تیز ہے۔ آئن سٹائن نامی مشہور سائنس دان کا کہنا ہے کہ واقعۂ معراج کا انکار کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ بہر حال یہ جانور خچر سے قدرے چھوٹا دراز گوش قدرے بڑا برنگِ سفید یعنی خدائی بوئینگ طیارہ ۔ (حاشیہ جلالین پ ۱۵)

اللہ! اللہ! یہ کیسا سفر ہے آج کی رات
فرش سے عرش پہ جاتا ہے بشر آج کی رات

(۹) یوں تو ہر نبی و رسول کو معراج کی نعمت سے سرفراز کیا گیا ہے تاہم ہر ایک کی شانِ معراج الگ الگ تھی، چنانچہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معراج کوہِ طور پر اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوسرے آسمان کی طرف **بجسدہٖ و بروحہٖ** (صحیح حالتِ حیات میں) ہوئی مگر ہمارے سب سے بڑے اور نرالی شان والے آقائے ہاشمی سیدنا محمد عربی ﷺ کی معراج عرشِ بریں تک ہوئی ؎

موسیٰ بطور رفت، عیسیٰ بآسمان
معراجِ عرش خاص کمالِ محمد است

(۱۰) ساتویں آسمانوں میں مختلف حضراتِ انبیاء کرام (علیہم السلام مثلاً حضرت آدم، حضرت یوسف، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام) کے ساتھ ملاقات کرنے میں یہ ربانی راز تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بھی وہ سارے حالات پیش آئے اور آئندہ بھی آئیں گے جو جو حالات ان انبیاء کرام کو اپنے اپنے زمانوں میں پیش آئے ہیں نیز اس طرف لطیف اشارہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے جدا جدا امتیازات واختصاصات کے تنِ تنہا حامل اور ان تمام کمالات میں کامل ہوں گے ؎

خواب میں جلوہ نما ہوں جو حضور اقدس
اے ذکا عید کی ہو جائے سحر آج کی رات

(۱۱) سیرت طیبہ کے اکثر و بیشتر اہم واقعات پیر کے دن یا اس کی رات میں پیش آئے ہیں مثلا ولادت طیبہ، وصال شریف، ابتدائے وحی، ہجرت اور یہ واقعہ معراج بھی پیر کی رات ۲۷/ رجب المرجب ۱۱ نبوی بہ عمر مبارک ۵۱ سال، ۹ ماہ مطابق ۲۲ مارچ ۶۱۹ء کو پیش آیا۔ ؎

فرش سے عرش دھوم مچی ملائک میں
زینت عرش معلیٰ ہے بشر آج کی رات

ایک اہم مگر دلچسپ بحث:

تمام اہل اسلام کا اس بات پر قرآنِ کریم اور حدیث شریف کی روشنی میں اتفاق ہے کہ اہل جنت کو جنت میں حضرت حق جل مجدہٗ کا دیدار ہوگا البتہ دنیا میں بحالت بیداری یہ دیدار الٰہی کسی کے لیے ثابت نہیں ہے اگر چہ ممکن ہے مگر واقع نہیں ہے۔ (خلاصۂ مفہوم از عقیدۃ الطحاوی اور شرح عقائد مع حواشی)

جہاں تک شب معراج میں آنحضرت ﷺ کا دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کا تعلق ہے۔ اکثر صحابہ کرام اور سلف صالحین اس کے وقوع کے قائل ہیں اور یہی نظریہ زیادہ قوی ہے اور دلائل کے اعتبار سے بھی زیادہ راجح ہے (سیرت المصطفیٰ ج ۱) البتہ دیدار الٰہی کی کیفیت میں اختلاف ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل) یہاں ہم راجح مذہب کے دلائل کا خلاصہ نقل کرتے ہیں

اگر چہ حق دونوں جانب ہے نقلاً ثابت ہے مثلاً

۱.....دو بار حضرت حق تعالیٰ شانہٗ کا دیدار ہوا۔ ایک بار قلب مبارک سے اور ایک بار چشم مبارک سے (طبرانی بروایت حضرت ابن عباسؓ)۔

۲.....میں نے اپنے پروردگار کو آنکھوں سے دیکھا (مستدرک حاکم بروایت حضرت ابن عباسؓ)

۳.....میں نے نور اعظم کو دیکھا (حکیم ترمذی بروایت حضرت ابن عباسؓ)

۴.....آنحضرت ﷺ سے دیدار الٰہی کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب ارشاد فرمایا گیا وہ سراسر نور ہے میں اس کو دیکھ رہا ہوں (مسلم براویت حضرت ابوذرؓ)

۵.....آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں دیدار الٰہی ہوا۔ (تفسیر جمل علی تفسیر جلالین)

۶.....دس بار زیارت مولیٰ ہوئی شب معراج میں۔ تفسیر صاوی)

۷۔.....امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ بھی چشم مبارک سے دیدار الٰہی کے قائل ہیں۔ (ملفوظات)

عقلاً بھی ثابت ہے

۱.....واقعۂ معراج از اول تا آخر سراسر معجزۂ عظیمہ ہے۔ دیدار الٰہی بھی اسی قبیل سے ہے، کیوں کہ جس روایت میں دیدار کا انکار ہے وہ عالم دنیا سے تعلق ہے ہمارے پیارے آقا ﷺ عالم لاہوت سے بھی اگے عالم ملکوت پھر وہاں سے بھی آگے عالم ایوان قدرت میں تشریف فرما تھے وہاں دیدار ہوا۔

۲.....رب کریم نے ہمارے پیارے آقا ﷺ کو بہت ہی اہتمام کے ساتھ فرشتوں کے جلو میں بہترین انتظامات کے ساتھ بلوایا، آنے اور جانے کے لیے مختلف منازل (stationary) پر بہترین شاہی سواریوں کا انتظام فرمایا۔ ساری کائنات کی گردش کو آپ ﷺ کے لیے معطل فرمایا ۔گویا (Red Alert) کر دیا گیا۔ عالم افلاک کو استقبال میں رکھا گیا۔ تمام مناظر قدرت و عجائب ملکوت اور شواہد حکمت آپ ﷺ کو دکھلائے گئے ۔حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات و تعارف کرایا گیا الغرض تمام طرح کے انعامات واحسانات سے خوب نوازش کی گئی ،لیکن اپنے جمال جہاں آرا کی زیارت نہ کرائے اور آپ کی بغیر دیدار الٰہی کے واپسی ہو؟ عقل کو

تسلیم کرنے میں بہت ہی زیادہ تأمل ہے۔اس کی مثال یوں ہے کہ ایک بڑے آدمی نے اپنے بہترین دوست کو گھر آنے کی دعوت دی، سواری بھی بھجوائی، اپنے خاص آدمیوں کو لانے اور لے جانے کے لیے بھجوادئے، تمام طرح کے لوازمِ ضیافت سے اس کو نوازا، استقبال کے لیے تازہ دم فوج تیار رکھے اور انہیں کڑی نگرانی کا حکم ملے، اپنا گھر بار اور اہل وعیال سب کچھ دکھلایا مگر اپنی ملاقات (روبرو اور دوبدو) نہ کرائے؟ کیا ایسا ہوسکتا ہے یا کہیں ہوتا ہے۔نہیں ہرگز نہیں۔البتہ جہاں تک باطنی طور دیدارِ الٰہی کا تعلق ہے وہ تو ہر وقت مُیسر تھا۔واللہ اعلم بالصواب۔

قابَ قوسَین کی جلوؤں سے مجلّٰی آنکھیں
اس پہ ہے سُرمۂ مازاغ البصر آج کی رات

سبحن ربك رب العزت عما يصفون و سلام على المرسلين والحمد الله رب العالمين

تحریک دعوت وتبلیغ ایک عظیم عالمگیر تحریک

منظور احمد دیوبندی بمیار

اللہ رب العزت نے اس کُرۂ عرض پر بسنے والے انسانوں کی صحیح رہبری ورہنمائی کے لیے ایک بہت بڑی تعداد میں حضرات انبیاء مبعوث فرمائے۔ہر نبی نے اپنی قوم کو اللہ سے جُڑنے کی دعوت دی۔آخر پر جناب سید المرسلین، خاتم النبین حضرت محمد عربیؐ تشریف لائے، چونکہ پیارے محمد عربی خاتم النبین ہیں اس لیے اب عوام الناس کی رہبری کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا۔اس مقصد کو (انسانوں کی رہبری کے لیے) پورا کرنے کے لیے اللہ رب العزت نے مختلف ادوار میں علمائے دین کو پیدا فرمایا، جنہوں نے بھٹکے ہوئے انسانوں کو صراط المستقیم کے راستے پر لا کھڑا کر دیا جو ہمہ تن پیارے حبیب محمد عربی کے لائے ہوئے دین کی آبیاری کرتے رہے۔

برصغیر کی سرزمین علمائے دین کی سرزمین کہلاتی ہے۔اس سرزمین نے آج تک ان گِنت علمائے دین پیدا فرمائے، جن کا کردار ہمیشہ سے روشن اور مثالی رہا ہے۔ہماری ملی تحریک میں مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ، حجت الاسلام علامہ محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند محمود الحسن دیوبندیؒ، حکیم الامت علامہ شاہ اشرف علی تھانویؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مجاہد ختم النبوت علامہ عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ، علامہ رشید احمد گنگوہیؒ، امام العصر محدث کبیر علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ وغیرہ کے نام آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح ہمیشہ روشن رہیں گے۔

ان ہی علمائے حق میں ایک روشن نام مصلح قوم داعی اسلام حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کا ہے۔مولانا الیاس کاندھلویؒ ہر وقت اور ہر لمحہ ملت کے بگڑے مزاج اور دین سے دوری کو دیکھ کر متفکر رہتے تھے۔ہندوستان خصوصاً میوات کے لوگوں کی جاہلیت کو دیکھ کر اُن کا دل ہر وقت خون کے آنسو روتا تھا۔ہر آن ان کو یہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ اس امت کو کس طرح

صحیح رُخ پر لایا جائے اور کیسے ان کے دلوں میں دینی مزاج پیدا کیا جائے۔ مسلمانوں کی ابتر حالت کو دیکھ کر راتوں کو سو نہیں پاتے تھے اور پوری رات روتے اور کروٹیں بدلتے گذر جاتی تھی۔ ایک دفعہ اللہ کے حضور گریہ زاری کرتے ہوئے فرمایا کہ ''یا اللہ! آدھوں کی زندگی سو کر گذری اور آدھوں کی رو کر گزری، میری زندگی نہ سو کر گذری اور نہ رو کر گزری''۔ مولانا کے ان کلمات کا مطلب یہ تھا کہ دین کے درد نے ان کی زندگی سے چین وسکون چھین لیا، جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ مضطرب رہتے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں بھی ان کو یہی فکر دامن گیر تھی کہ پیارے نبی رحمتؐ کا لایا ہوا مکمل دین کس طرح پورے عالم میں پھیل جائے، چنانچہ مولانا جب بستر علالت پر تھے ان کے کچھ رفقاء ایک طویل سفر کر کے اُن کی عیادت کے لیے آئے۔ ان اشخاص کو دیکھ کر مولاناؒ نے ان سے فرمایا ''کہ مٹنے والی چیز کے لیے اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہو، اللہ کا دین مٹنے کے لیے نہیں تھا مگر اس کے لیے سفر نہیں کرتے ہو''۔ ان کے اس فرمان سے بخوبی عیاں ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں بھی ان کے منور قلب میں دین کی کس قدر فکر تھی۔ حقیقت بس یہی ہے کہ اللہ رب العزت دین کی سمجھ اور فکر اُن ہی کے قلوب میں ڈالتے ہیں، جن سے خدائے تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔

مُفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات مولانا محمد الیاسؒ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے، آہیں بھرتے اور فرماتے، میرے اللہ میں کیا کروں کچھ ہوتا نہیں۔ ایک رات والدہ مولانا محمد یوسفؒ صاحب نے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے کہ نیند نہیں آتی؟ فرمایا کہ کیا بتلاؤں اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہو جائیں۔ بعض مرتبہ اس جوش کے ساتھ گفتگو فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ سینہ میں تنور گرم ہے، حمیت اسلامی اور جذبات کا ایک طوفان برپا ہے۔ مولانا الیاسؒ خود فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران مجھے اس کام (دعوت وتبلیغ) کے لیے امر ہوا اور ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ کچھ دن میری اس بے چینی میں گُزرے کہ میں ناتواں کیا کر سکوں گا؟ کسی عارف سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ کیا پریشانی کی بات ہے؟ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو گے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے، کام لینے والے کام لے لیں گے، اس سے بڑی تسکین ہوئی۔''

تاریخ شاہد ہے کہ اکثر تحریکیں بڑے زور وشور کے ساتھ اُٹھتی ہیں، برق رفتاری کے ساتھ اپنے شباب پر پہنچتی ہیں اور پھر بیشتر کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس داعیٔ اسلام مولانا محمد الیاسؒ کی دینی تحریک (تحریک دعوت وتبلیغ) کا مزاج بالکل ہی جداگانہ ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں آریوں کی کوشش سے ہندوستان کے جاہل دیہاتیوں میں ارتداد کی آگ پھیل گئی۔ اس ارتداد کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کے دیہاتوں میں بسنے والے مسلمان جاہل، ان پڑھ اور دین سے غافل تھے۔ ان کی اس غفلت جہالت اور ناخواندگی سے آریائی قوم نے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور مسلمان مرتد ہوتے چلے گئے۔ میوات اور اس کے قرب وجوار کے لوگ سب سے زیادہ ارتداد کا شکار ہوئے کیوں کہ ان علاقوں میں بسنے والے مسلمان سب سے زیادہ جاہل اور ناخواندہ تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی کوششوں سے صدیوں پہلے یہاں اسلام پہنچا تھا مگر بعد میں یہ قوم مسلمان حکمرانوں کی غفلت شعاری کی وجہ سے اسلام سے دور چلی گئی۔ میواتیوں کی اسلام سے دوری کا احساس غیر مسلم مورخوں کو بھی تھا۔ چنانچہ میجر پاؤلٹ لکھتا ہے:

''میوات تمام تر مسلمان ہیں مگر برائے نام۔ ان کے گاؤں کے دیوتا وہی ہیں، جو ہندو زمین داروں کے ہیں۔ وہ ہندو کے کئی ایک تہوار مناتے ہیں۔ ان کے ہاں ہولی اتنا اہم اور ضروری تہوار سمجھا جاتا ہے جتنا محرم، عید اور شب برأت۔ ان کے یہاں شادی کی تاریخ مقرر کرنے کے لیے برہمن اور پنڈت ہوتے ہیں۔ ایک رام کو چھوڑ کر وہ ہندوانہ نام بھی رکھتے ہیں''۔

گزیٹر الور (شائع شدہ ۱۸۷۸)

بحوالہ مولانا الیاس اور ان کی دعوت صفحہ نمبر ۶۸)

داعی اسلام مولانا الیاسؒ کی دینی تحریک کا طریقہ کار باقی دینی تحریکوں سے بالکل مختلف تھا۔ بانی تحریک کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ لوگ دنیاوی مشاغل اور گھر کے جھنجھٹ میں پھنس کر دین سیکھنے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے آپ نے یہ طریقہ کار اپنایا کہ لوگوں کو گھروں سے کچھ مدت کے لیے نکلنے پر آمادہ کیا جائے تا کہ وہ یکسو ہو کر دین کی بنیادی باتیں سیکھ لیں اور اہل علم سے فائدہ اُٹھائیں۔ اپنے ایک مکتوب میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہم نے جماعتیں بنا کر دین کی باتوں کے لیے نکلنا چھوڑ دیا، حالانکہ یہی بنیاد اصل تھی ۔حضور پُر نورؐ خود پھرا کرتے تھے اور جس نے ہاتھ میں ہاتھ دیا وہ بھی مجنونانہ پھرا کرتا تھا۔غرض پھرنا اور دین کے لیے جدوجہد کرنا اور نقل وحرکت مین رہنا اصل تھا، جب یہ چھوٹ گیا تب ہی خلافت ختم ہوگئی۔'' (ایک اہم دینی تحریک از مولانا ابوالحسن علی ندوی صفحہ نمبر ۱۴، ۱۵)

مصلح قوم مولانا الیاس ایک اعلیٰ صاحب بصیرت شخصیت کے مالک تھے۔وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ دین میں اصل اہمیت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ہے۔اس لیے انہوں نے ہوا میں عمارت کھڑی کرنے کے بجائے دین کی جڑ کی طرف توجہ دی۔چنانچہ فرماتے ہیں:

''میرے حضرت! یہ وظیفہ اور یہ اللہ کی بارگاہ میں دعائیں اور دین کی لائن کی ہر چیز در حقیقت ایمان کی پگڈنڈیاں ہیں اور پھول پتیاں ہیں، جو درخت اپنے جڑ سے سوکھ چکا ہو اس کے پھول پتوں میں شادابی کہاں ہوسکتی ہے اس واسطے بندۂ ناچیز کے نزدیک اس زمانے میں دعا کارگر ہے نہ وظیفہ بارآور۔حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت دین کے فروغ کی کوشش ترک ہوچکی ہو، جس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہتے ہیں، اس وقت دعاؤں میں راتیں رو کر گزارنے والوں کی دعا مقبول نہیں ہوتی۔ابواب رحمت بند ہوچکے ہونگے اور ابواب رحمت کھلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔حق عزوجل نے مومن کے ساتھ رحمت کے ساتھ توجہ کرنے اور کرم والطاف کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ارادہ صرف اس وقت فرما رکھا ہے جب وہ اسلام کے فروغ میں اپنی سعی صرف کررہا ہو۔'' (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت صفحہ نمبر ۲۹۱، ۲۹۲)

مولانا الیاس کی خواہش تھی کہ سب سے پہلے قوم میں دین کی بنیادی باتوں کی واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ان کے اندر دینی مزاج اور دین سیکھنے کا شوق پیدا کیا جائے۔جب لوگوں کی رگ رگ میں پوری طرح دین اسلام سرایت کر جائے، پھر انہیں اقامت دین کے لیے کھڑا کیا جائے، کیوں کہ بغیر اس کے دین قائم وغالب نہیں ہوسکتا۔

کوئی بھی انقلاب برپا کرنے کے لیے نوجوانانِ قوم کی ضرورت ہوتی ہے، مگر جس قوم کے نوجوانوں کی اکثریت فحاشی میں ڈوبی ہوئی ہو، جن کے شب وروز تفریح گاہوں، شراب خانوں

اور نائٹ کلبوں میں گزرتے ہوں، جن کے دل ودماغ پر مغرب کا رنگ غالب آگیا ہو، جن کے ہاتھوں میں فرقانِ مقدس کے بجائے فحاش ناولیں اور افسانے ہوں، جو پکے سچے مسلمانوں کو دقیانوس اور مغرب کی نیم عُریاں قوم کو مہذب سمجھتے ہوں، جو اپنے پیارے حبیب محمد عربی ﷺ کے نام مبارک سے ناآشنا ہوں اور جنہوں نے پیغمبر اسلام سید الانبیا ﷺ کو وداع کر کے کرکٹ کھلاڑیوں اور فلمی ستاروں کو اپنا رول ماڈل بنایا ہو۔ایسے جوانوں سے اقامت دین کی خاطر جان کی بازی لگانے کی امید رکھنا ہوا میں عمارت تعمیر کرنے کی مصداق ہے۔

اس لیے مولانا ایک گرامی نامہ میں فرماتے ہیں:

''جس قوم کی پستی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے لفظوں سے بھی گر چکی ہو وہ ابتداء سے درستی کئے بغیر انتہا کی درستی کے کب قائل ہوسکتی ہے۔انتہاء ابتداء کے درست ہوئے بغیر نہیں ہوسکتی۔اس لیے میں نے درمیانی اور انتہائی خیالات بالکل نکال دئے، ابتداء درست ہوکر راستہ پر پڑ جائیں گے تو انتہاء پر خود پہنچ جائیں گے اور ابتداء کے بگڑے ہوئے انتہاء کی درستی کا خیال ہوس اور ابو لہوسی کے سوا کچھ نہیں۔'' (بحوالۂ احیائے دین اور ہندوستانی علماء صفحہ نمبر ۲۴۲)

اسلام کی بدحالی وکسمپرسی کا درد مولانا کے دل میں اتنا تھا کہ ایک بار کسی نے لال قلعہ کے پاس سے گزرتے ہوئے پوچھا کہ جناب والا نے لال قلعہ بھی دیکھا ہے فرمایا کہ میں لال قلعہ کی سیر کو بے حمیتی سمجھتا ہوں۔(بحوالۂ: احیائے دین اور ہندوستانی علماء صفحہ نمبر ۲۴۲)

تاریخ میں ایک دور ایسا بھی گزرا ہے، جب مختلف ممالک سے لوگ اندلُس، قُرطبہ، بُخارا اور بغداد علم سیکھنے کے لیے آتے تھے کیوں کہ یہ شہران دنوں علم ودانش کے مراکز تھے۔اُس دور میں مسلمان ہر علم کے فن میں ماہر تھے۔عربوں کی تو بات ہی نہیں عجمی بھی عربی زُبان شوق سے سیکھتے تھے اور اس میں مہارت رکھتے تھے۔مسلم قوم عربی زبان سیکھنا اپنا فریضہ سمجھتی تھی کیونکہ ملت اسلامیہ کی اصل زبان عربی ہی ہے۔مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ عربی زبان سے دور ہوتے چلے گئے۔مولاناؒ کو بھی اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ مسلمان عربی زبان اور دینی علوم سے دلچسپی نہیں رکھتے۔اس کا اظہار انہوں نے حافظ عبداللطیف صاحبؒ کے نام ایک خط میں یوں فرمایا ہے:

''حافظ صاحب: مجھے بڑی غیرت آتی ہے کہ مسلمانوں کی عربیت کی جانچ کرنے والے کفار ہوں''

اسلام اللہ جل شانہٗ کا مبعوث کیا ہوا ایک مکمل دین ہے۔اسلام ہی واحد نظام حیات ہے۔مولاناؒ کی اصل خواہش اقامت دین کی تھی۔ان کے سامنے ایک مکمل اسلامی نظام کا نقشہ موجود تھا۔مگر اس خاکہ میں رنگ بھرنے کے لیے وہ چاہتے تھے کہ سب سے پہلے اسلام قوم کے رگ و پے میں پیوست ہوجائے۔انہوں نے سب سے پہلے عبادات پر زور دیا کیونکہ عبادات کے ذریعہ ہی انسان کی طرف نصرت خداوندی دوڑتی چلی آتی ہے۔قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے:

ان تنصرو اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم ہ

ترجمہ: اگر تم اللہ کے دین کی محنت کروگے تو خدا تمھاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یوں مخاطب ہے:

وعد اللہ الذین اٰمنو منکم و عملو الصالحٰت لیستخلفھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ہ

(ترجمہ) تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی۔)

ان آیات کریمہ میں اللہ رب العزت تمام امت مسلمہ سے وعدہ فرماتے ہیں کہ وہ اس امت کو ضرور حکومت وخلافت سے سرفراز کرے گا مگر اس شرط پر کہ امت نیک اور صالح اعمال کرے عمل بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شیوہ بنالے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کو گھر گھر پہنچائے اور اس کی آبیاری کرے۔تمام بری رسم ورواج، بدعات وخرافات سے منہ موڑ کر پیارے آقا مدنی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو افضل واعلیٰ سمجھے اور اسی شریعت کے تحت اپنی زندگیاں گزارے۔اگر امت ایسا کرے گی تو اللہ اپنے کیے ہوئے وعدے کے مطابق اس امت کو دوبارہ خلافت جیسی نعمت عظمیٰ عطا فرمائیں گے۔

داعی اسلام مصلح قوم مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے اسی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے سب سے پہلے اسلام کی بنیادوں پر توجہ دی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمان جب تک دین سے غافل اور دور

رہیں گے تب تک دین کسی بھی صورت میں مکمل نظام حیات کے طور پر قائم نہیں ہوسکتا ہے۔اسی لیے انہوں نے سب سے اول عبادات پر زور دیا جس میں نماز سب سے اہم تھی۔جس معاشرے میں نماز نہ ہو وہ ایمانی معاشرہ نہیں ہوسکتا ہے۔ترک الصلوٰۃ بے دینی ہے اور بے دینی کے ہوتے ہوئے نصرت خداوندی نہیں آتی۔مولانا اقامت دین کے متمنی تھے۔صرف اقامت صلوٰۃ برپا کرنا ان کا مقصد نہیں تھا مگر وہ جانتے تھے کہ اقامت صلوٰۃ کے بغیر اقامت دین نہیں ہوسکتا۔چنانچہ ایک موقعہ پر اپنے رفیق مولانا ظہیر الحسن صاحب سے فرمایا:

''ظہیر الحسن! میرا مدعا کوئی نہیں پاتا، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلوٰۃ ہے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ ہرگز تحریک صلوٰۃ نہیں ہے۔''

(بحوالہ احیائے دین اور ہندوستانی علماء صفحہ نمبر ۲۴۳)

مولانا الیاس کے دل میں ایک شدید امنگ تھی کہ مسلمانوں کے پاس اپنی اسلامی حکومت ہونی چاہیے تھی تاکہ وہ اپنے فیصلے اسلامی نظام (شریعت) کے تحت کرسکیں ان کو یہ دیکھ کر بڑا رنج ہوتا تھا کہ غیر اسلامی اور طاغوتی عدالتوں میں مسلمان اپنے فیصلے کراتے تھے۔اسی رنج وغم کو لیکر ایک بار ایک خط حافظ عبد اللطیف صاحبؒ کو لکھا جس میں یوں رقمطراز ہیں:

''زیادہ زور اس پر دیا جائے کہ قوم اپنی پنچایتیں اور سب اپنے کاروبار اور سب فیصلے شریعت کے موافق کرنے ہی کو اسلام سمجھے ورنہ اسلام نہایت ناقص ہے بلکہ بسا اوقات احکام شرعیہ کی بے وقعتی اور بے رخی اور توہین کی بدولت اسلام جاتا رہتا ہے اور یقیناً کفر ہوجاتا ہے''۔

(بحوالہ احیائے دین اور ہندوستانی علماء صفحہ نمبر ۲۵۲)

تحریک دعوت وتبلیغ کے ذریعے مولانا الیاسؒ مسلمانوں کو کسی بھی جائز شعبے (field) میں ترقی پانے سے روکنا نہیں چاہتے تھے۔وہ سائنس وٹیکنالوجی، صنعت وحرفت اور زراعت وتجارت کے مخالف نہیں تھے بلکہ چاہتے تھے کہ مسلمان قوم ہر شعبے میں ترقی کرے اور کمال حاصل کرے مگر ان کی خواہش تھی کہ امت مسلمہ ان شعبوں میں بھی شریعت کی غلامی اختیار کرے چنانچہ اپنے ایک دوست کو جو مسلمانوں کی ترقی کے خواہش مند تھے سمجھاتے ہوئے آپ نے صاف صاف تحریر فرمایا کہ ہم نظام اسلام چاہتے ہیں اور اسی اسلامی نظام کے تحت ہر

شعبے میں ترقی چاہتے ہیں:

''اس بندہ ناچیز کے اندر وہ تبلیغ جس کے لیے آپ کو بھی بلایا تھا اور خود بھی کوشاں ہوں اس کا منشا دنیا کے مسلمانوں میں صنعت وحرفت اور زراعت وتجارت کو شریعت کے ماتحت اور شریعت کے مطابق کرنا ہے۔ تبلیغ کی ا، ب، ج، د عبادات سے ہے اور عبادات کے کمال کے بغیر ہرگز معاشرت اور معاملات تک اسلامی امور کی پابندی نہیں پہنچ سکی۔''

(احیائے دین اور ہندوستانی علماء صفحہ نمبر ۲۵۳)

آج پورے عالم میں دارالعلوموں کا جال بچھا ہوا ہے۔ یہ ان ہی دینی مدارس کی عنایت ہے کہ آج دینِ اسلام ہمارے سامنے صحیح انداز میں موجود ہے۔ مصلح قوم مولانا محمد الیاسؒ بھی مدارس کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے۔ مگر ساتھ میں ان کو اس بات کا بھی شدت سے احساس تھا کہ صرف دینی مدارس سے حالات نہیں بدل سکتے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ عوام اور اہل علم (علماء) عارضی طور پر اپنے گھروں کو چھوڑ کر دین کی محنت کے لیے نکلیں اور کچھ وقت دین سیکھنے سکھانے میں صرف کریں۔ آپؒ کا خیال تھا کہ علماء بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر دینی اشاعت وتبلیغ میں نکلیں، تاکہ عوام ان کی صحبت میں رہ کر استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ صاحب کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''عرصہ سے میرا اپنا خیال ہے کہ جب تک علمی طبقہ کے حضرات اشاعت دین کے لیے خود جا کر عوام کے دروازوں کو نہ کھٹکھٹائیں اور عوام کی طرح یہ بھی گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کام کے لیے گشت نہ کریں اس وقت تک یہ کام درجۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا، کیوں کہ عوام پر جو اثر اہل علم کے نقل وحرکت سے ہوگا وہ ان کی دھواں دھار تقریر سے نہیں ہوسکتا۔ اپنے اسلاف کی زندگیوں سے بھی یہی نمایاں ہے۔ کہ جو آپ حضراتِ اہل علم پر بخوبی روشن ہے۔

(بحوالہ: مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت صفحہ نمبر ۱۱۴)

دین حق کو گھر گھر پہنچانے اور مکمل طور پر غالب کرنے کے لیے مولانا الیاس صاحبؒ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ آخری عمر میں نہایت ضعیفی اور ناتوانی کے عالم میں بھی دعوت دین کی خاطر قوتیں صرف کیں۔ اقامت دین کی خاطر نہ دن دیکھا اور نہ رات دیکھی، اس اہم فریضہ کو

انجام دینے کے لیے ایسی کوشش اور جدوجہد کی جو رہتی دنیا تک داعیانِ دین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی۔ اُن کی اسی انتھک اور لاجواب کوشش کے بارے میں مُناظر اسلام مولانا منظور نعمانی صاحبؒ نے فرمایا ہے:

''جسمانی لحاظ سے اگرچہ نہایت ضعیف وناتوان تھے مگر اس مقدس مقصد کے لیے ایسی انتھک اور اس قدر بے پناہ جدوجہد کر کے دکھا گئے کہ میرا اندازہ ہے کہ اگر بالفرض کسی شخص کے سامنے جنت اپنی ساری نعمتوں اور دلفریبیوں کے ساتھ اور جہنم اپنی ساری ہولناکیوں سمیت منکشف کر دی جائے اور اس سے کہا جائے کہ یہ کام کرو گے تو یہ جنت ملے گی اور نہیں کرو گے تو اس جہنم میں ڈالے جاؤ گے تو شاید اسکی سعی وجدوجہد اس سے زیادہ نہ ہو سکے گی، جو مولانا الیاس صاحبؒ کی بالخصوص آخری زمانہ میں تھی۔''

(بحوالہ: احیائے دین اور ہندوستانی علماء صفحہ نمبر ۲۴۹)

داعیٔ دین مولانا الیاسؒ نے اپنی پوری زندگی تاجدار مدینہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی اشاعت وتبلیغ میں صرف کی اور یہ ان ہی کی بے انتہا تڑپ، لگن اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج پورے عالم میں دین کے داعی اور شیدائی پیدا ہوئے ہیں جو اس وقت دین کی اشاعت اور سربلندی میں لگے ہوئے ہیں، مگر اس کے باوجود مولانا کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت ان کی زبان پر یہی ہوتا تھا کہ دین کا جو حق تھا وہ ادا نہ ہوسکا۔ چنانچہ ایک گرامی نامہ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''جس مذہب کی اصلی قیمت سوزشِ جگر اور خون دیدہ بہانا تھا اس کے لیے ہمارا یہ برائے نام قدموں کا اُٹھانا اور اس قدر ضعیف اور کم مقدار اپنی محنتوں کا وابستہ رکھنا اصل فریضہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتا، لیکن خدائے پاک کی ذرہ نوازی کہ اخیر زمانہ والوں کے لیے ان کی مساعی پر صحابہؓ کے برابر اجر وثواب ملنے کی خوش خبریاں ہیں''۔

(بحوالہ: احیائے دین اور ہندوستانی علماء صفحہ ۲۴۹)

مُصلح قوم پیکر اخلاص، داعی حق مولانا محمد الیاسؒ اپنی اس تحریک کے ذریعے پوری قوم میں محبت اور اتحاد پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ دینی علوم اور دنیوی علوم پانے

والوں کے بیچ جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو پر کیا جائے۔علمائے دین اور عوام کو قریب لایا جائے ۔نفرتوں کو اُلفتوں میں تبدیل کیا جائے،عوام و خواص کے اندر اتحاد کی روح پیدا کی جائے۔وہ چاہتے تھے کہ پوری امت مل کر اپنے پیارے آقائے مدنی ﷺ کے لائے ہوئے اکمل دین کی محنت کرے تاکہ پورا کا پورا دین غالب ہو کر رہ جائے۔چنانچہ ایک بار فرمایا:

''اپنی اس تحریک کے ذریعے ہم ہر جگہ کے علماء واہل دین اور دنیا داروں میں میل ملاپ اور صلح وآشتی بھی کرانا چاہتے ہیں۔نیز خود علماء اور اہل دین کے مختلف حلقوں میں الفت ومحبت اور تعاون ویگانگت کا پیدا کرنا،اس سلسلہ میں ہمارے پیش نظر بلکہ ہمارا اہم مقصد ہے۔اور یہ دینی دعوت ہی انشاء اللہ اس کا ذریعہ ووسیلہ بنے گی۔''

(بحوالۂ:احیائے دین اور ہندوستانی علماء،صفحہ نمبر ۲۵۷)

بحمد اللہ تعالیٰ تحریکِ دعوت وتبلیغ آج ایک عالمگیر تحریک کے بطور پوری دنیا میں کام کر رہی ہے۔اس عظیم تحریک کا جو پودا برسوں پہلے مصلح قوم داعی اسلام مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے نہایت خاموشی کے ساتھ ہندوستان میں لگایا تھا آج اس کی شاخیں رب ذوالجلال کے فضل وکرم سے چھ براعظموں میں پھیل چکی ہیں۔یہ اسی عظیم بین الاقوامی تحریک کا نتیجہ ہے کہ حقیقی اسلام کی شعائیں آج نہ صرف اسلامی ممالک بلکہ غیر اسلامی مملکتوں میں بھی بہت تیزی سے پھیل رہی ہیں۔**اللھم لک الحمد**

انگلش میڈیم کے ہماری نسل پر مضر اثرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقرا باسمِ ربک الذی خلق ،خلق الانسان من علق ،اقرا وربک الا کرم الذی علم بالقلم ،علم الانسان مالم یعلم

قران حکیم کی ان پانچ آیتوں سے آپ ﷺ کی نبوت کا آغاز اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کی بعثت کا مقصد ہی انسان کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی کی طرف لانا ہے احادیث نبوی میں حصول علم کی اس قدر سخت تاکید آئی ہے کہ ہر مسلمان کے لیے اسے اولین فریضہ قرار دیا۔

مگر وائے بدنصیبی کہ آج مسلمان ہی اس میدان میں سب سے پیچھے ہیں۔خیر خوشی کی بات ہے کہ ادھر چند دہائیوں سے علم کی طرف کچھ توجہ دی جارہی ہے۔مسلم بچے اور بچیوں کی ایک خاصی تعداد اسکول جارہی ہے۔مگر ان کے لیے جو طریقہ تعلیم پسند کیا گیا ہے اور جسے اپنے وقار کی ضمانت اور ترقی پسندی کی ضمانت سمجھ لیا گیا ہے دراصل وہ اسلام کے خلاف ایک نہایت منظّم فرنگی سازش اور مسلمانوں کی شناخت ختم کرنے کا ایک تباہ کن منصوبہ ہے۔پہلے جہالت نے ہماری نسلوں کو بے دین کر رکھا تھا۔آج کی اس مروجہ تعلیم نے بد دین بنا کر رکھ دیا ہے۔پہلے کا جاہل طبقہ احساس دلانے پر نادم ہو کر سر جھکا لیا کرتا تھا اس سمجھانے پر مان لیا جایا کرتا تھا۔مگر آج کا تعلیم یافتہ طبقہ اپنی بد دینی پر فخر کرتا ہے۔دین داروں کو قدامت پسند کہتا اور دین کی باتوں کا مذاق اڑاتا ہے۔جنگ آزادی میں علمائے حق کی ایک سرفروش جماعت نے انگریزوں سے زبردست ٹکر لی تھی۔انھوں نے ان کی نوکری اور کسی طرح کی مدد کو حرام قرار دیا تھا۔اس فتوے پر چار سو چوراسی (۴۸۴) علماء نے اپنے دستخط کئے تھے۔سید احمد شہید بریلویؒ،شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ،شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور دوسرے بہت سے اکابرین نے پوری شدت سے انگریز اور انگریزی حکومت کی مخالفت کی تھی مگر کچھ لالچی اور موقع پرست ۹ غدارانِ وطن کی وجہ سے یہ تحریک کامیاب نہ ہوسکی اور ملک پر پوری طرح انگریزوں کا تسلط ہو گیا۔اب انگریزی سرکار نے بغاوت کا الزام لگا کر علماء سے جی بھر کر انتقام لیا گیا۔تقریباً ایک لاکھ علمائے کرام کو

شہید کیا گیا۔ آئندہ ایسی کوئی جماعت پھر نہ اُٹھ کھڑی ہو اور ان کے لیے دردسر بنے اس کے لیے فرنگی شاطروں نے پورے ملک میں مشینری اسکولوں کا جھال بچھایا جن میں پڑھ کر لڑکے اپنے مذہب سے بے خبر، اپنی زبان سے لاعلم اور اپنی تہذیب سے بیزار ہو کر ان کی ہر بات اور ہر ادا کے گن گانے لگتے۔ یہ مشنری سکول ہندوستان کے عام لوگوں کو عیسائی بنانے اور مسلمانوں کو مسلمان نہ رہنے دینے کی ایک بڑی ہی پُرفریب اسکیم ہے جو تعلیم کے عنوان سے بڑے خوبصورت اور ہمدرانہ انداز میں شروع کی گئی ہے۔ قبل اس کے کہ میں بتاؤں کہ اس طریقہ تعلیم میں مسلم بچوں کے لیے کیا خرابیاں اور خطرات ہیں، آپ یہ سمجھ لیں کہ اسلام میں علم سے کیا مراد ہے۔

اسلام کی نظر میں علم وہ ہے جو اللہ کے نام پر اللہ کی رضا اور انسانیت کی فلاح کے لیے حاصل کیا جائے۔ یہی علم انسان کو صحیح معنوں میں انسان بناتا ہے۔ ورنہ انسان اپنے ذات سے محض جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا ہے۔ سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں میں علم کی یہی تعریف بیان کی گئی۔ یہی علم انبیاء کی میراث ہے، یہی علم آنکھوں کا نور ہے، اسی علم سے دل و دماغ روشن ہوتے ہیں، جہالت وغفلت کے اندھیرے دور ہوتے ہیں، اپنے پیدا کرنے والے کا عرفان ہوتا ہے، اپنی زندگی کا احتساب پیدا کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے، اپنے فرائض اور اپنی کوتاہیوں کو سمجھنے کی صلاحیت اور ان کی اصلاح وادائیگی کی فکر ہوتی ہے، انسان کے دل میں دنیا کی جیسی اور جتنی محبت ہونی چاہیے اس کے مناسب حدود قائم کر کے فکر آخرت پیدا کرتا ہے۔ اسلام میں علم دین اور علم دنیا الگ الگ نہیں ہوتا۔ دین کا علم ہی اصل علم ہوتا ہے۔ دنیا کا علم اسی دائرہ میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر، انجینیر، وکیل سے قبل مسلمان بننا ضروری ہے۔ ایک وکیل کی زندگی میں دین کا علم نہیں ہوگا تو وہ ایک خونی ڈاکو اور زانی کو معصوم ثابت کر کے بری کرانے کو اور کسی غریب بے گناہ کو مجرم ثابت کر کے سزا دلانے کو اپنے علم کا کمال سمجھے گا اور اس پر فخر کرے گا۔ اگر دین کا علم نہیں تو ایک سرمایہ دار سود کھانے میں، ایک تاجر اپنے مال کا نقص چھپا کر خریدار کو دھوکہ دینے میں اور غلّہ فروش ڈنڈی مارنے میں کوئی حرج نہ سمجھے گا۔ شعبۂ حیات کا کوئی گوشہ ہو رہنمائی کے لیے دین کے علم کی ضرورت ہے۔ کھاتے پیتے سب ہیں مگر ایک غیر مسلم کا کھانا محض کھانا ہوتا ہے اور ایک مسلمان کا کھانا عبادت ہوتا ہے، کیونکہ اس کے پاس دین کا علم ہوتا ہے وہ جانتا ہے

کہ اس عمل کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے اور نبیؐ کا کیا طریقہ ہے۔ اس حکم میں ہمارے روز مرہ کا ہر عمل آتا ہے۔ یہی علم بحیثیت مسلمان کے ہماری شناخت ہے۔ اسی علم سے عیسائیت کو چڑ ہے، کیونکہ یہی علم ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں مسلمان بناتا ہے اور مسلمانوں کا صحیح معنوں میں مسلمان ہونا عیسائیت کے لیے ایک ایسا چلینج ہے، جس کا مقابلہ وہ تاریخ کے کسی دور میں بھی نہ کر سکی۔ اسی علم سے دور رکھنے کے لیے علم ہی کے نام پر یہ سکیم ساری دنیا میں چلائی گئی جو ان کی توقعات سے زیادہ کامیاب رہی۔ ان سکولوں نے ہمارہی نسل کے بچوں سے ان کی معاشرت، تہذیب اور ان کی زبان چھین لی، اور صرف چھینی ہی نہیں، ان سے متنفر اور بیزار بھی کر دیا اور یہ بیزاری اتنی بڑھی کہ اب یہ ملنے ملانے اور بات چیت کرنے میں اتنی احتیاط برتنے لگے ہیں کہ کہیں سے کوئی ایسی جھلک نہ نظر آجائے کہ لوگ انہیں مسلمانوں کے بچے سمجھ لیں۔ انگریزی دور حکومت میں بھی انگریزی زبان اور انگریزی کلچر کی وہ چاہت نہ تھی جو اب انگریزوں کے جانے کے بعد ہے۔ جسے دیکھو انگریزی سکول میں اپنے بچہ کے داخلے کے لیے بے چین وسرگرداں ہے۔ اور جس طرح بھی بن پڑے سفارش یا رشوت کے ذریعہ جسے یہ سکول والے ڈونیشن (**Donation**) کہتے ہیں داخل کرا کے دم لیتے ہیں۔ خیر صاحب آپ نے ایک معرکہ سر کر لیا بچہ کو ان کے اسکول میں داخل کرا کے آپ نے سمجھ لیا کہ بچہ کی تعلیم کی ذمہ داری آپ کے سر تھی بحمد اللہ وبخیر وخوبی ادا ہوگئی۔ مگر آپ کو نہیں معلوم کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ قدرت نے ایک مسلمان بچہ اپنی مقدس امانت سمجھ کر آپکے حوالے کیا تھا کہ اسے اسلامی تعلیم اور تربیت کے ذریعے ایک قیمتی سرمایہ اور ایک زبردست طاقت بنا کر اسلام کے تحفظ اور اس کی بقا کی فکر کریں گے اور آپ نے اسے فرنگی مکاروں کی گود میں ڈال دیا گویا آپ نے اپنی تلوار اپنے دشمن کے ہاتھ میں دے دی کہ اسے اپنی سان پر چڑھا کر اسکی کاٹ آپ ہی کے خلاف استعمال کرے۔

مسلمان بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے۔ مسلمان اس کا اہتمام رکھتے ہیں مگر محض رسماً۔ بھلا ایک بچہ جو ابھی ابھی پیدا ہوا ہے اذان کیا سمجھے، کچھ سمجھنے کے لیے شعور کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں ابھی شعور کہاں؟ اپنے نبیؐ کے فرمان کی حکمت کو ہم نہ سمجھ پائے، فرنگی دانشوروں نے سمجھا۔ کان اور آنکھ کے ذریعہ قدرت نے ہر بچہ کو آڈیو اور ویڈیو

سسٹم کا ایک ایسا نظام دے کر بھیجا ہے، جس کے ذریعہ پہلے ہی دن سے لاشعوری طور پر ہر آواز اور ہر منظر کا عکس اس کے ذہن کے پردوں میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے یہ نکتہ سمجھ میں نہیں آسکتا تھا مگر آج ٹیپ اور کیمرہ کے دور میں بڑی آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ یہ دو اعضاء علم حاصل کرنے کے دو نہایت آسان اور حساس آلے ہیں۔ تین سے پانچ سال کی عمر میں ان کی فعالیت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ علم کا وہ حصہ جو اس دور میں حاصل ہوتا ہے، وہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔ اسی علم کی بنیاد پر اس کے کردار و مزاج کی تشکیل ہوتی ہے۔ اسی اہم نکتہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے انہوں نے ان سکولوں میں نرسری کلاسیں بھی رکھی ہیں اور زیادہ زور اس بات پر دیتے ہیں کہ نرسری سے پڑھایا جائے ورنہ آئندہ بچہ کا داخلہ نہ ہو سکے گا۔ آپ اس ہمدردانہ مشورہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں اور اپنے معصوم بچے کو ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ گویا آج سے آپ اس کے صرف جسمانی باپ رہ گئے اور روحانی باپ فادر ہو گئے۔ اس کے جسم کی پرورش اور دیکھ ریکھ کی ذمہ داری آپ کی اور روحانی نشو نما اور تربیت کے مالک فادر اور اس کے چہرے اور رنگ و روپ میں آپ کی جھلک ملے گی اور مزاج و کردار میں فادر کا رنگ نظر آئے گا۔ یہ سب کیسے ہوگا؟ سنیے!

Uniform :۔ سب سے پہلے یونیفارم کی پابندی کے ذریعہ لباس کے متعلق پسند اور ناپسند کا ایک معیار بنے گا۔ یونیفارم پہن کر اس کے دل میں انگریزی لباس کی برتری کا احساس پیدا ہوگا۔ اپنے لباس میں سبکی محسوس کرے گا۔ لباس کا اولین مقصد ستر پوشی ہے اس اسلامی نظریہ پر ان کا یہ پہلا حملہ ہے۔ یاد رکھیں لباس کا مزاج و خیال پر ایک خاص اثر پڑتا ہے جو کیفیت پاجامہ اور کُرتے میں مزاج کی ہوتی ہے وہ کیفیت ہاف پینٹ اور ہاف شرٹ میں نہیں ہو سکتی۔

Pray:۔ یہاں تعلیم کا آغاز اور اختتام مناجات Pray پر ہوتا ہے۔ بائبل کی تعلیمات پر مشتمل چھوٹی چھوٹی نظمیں سیدھی سادی طرزوں پر پیانو (ایک مغربی باجا) کی دھن پر کورس میں گوائی جاتی ہیں۔ بچوں کے لیے نظمیں بڑی پُرکشش ہوتی ہیں۔ جنہیں وہ اکثر گنگنایا کرتے ہیں۔ لہٰذا لاشعوری طور پر ان کے معصوم ذہنوں میں یسوع و مریم کی بگڑی ہوئی تصویروں کا عکس جمنے لگتا ہے جو ان کی مسخ شدہ کتابیں کرتی ہیں۔ اس طرح ان کے دلوں میں اُن کے مذہب سے دلچسپی

پیدا ہوتی ہے۔ آگے چل کر یہی دلچسپی اپنے مذہب سے بیزاری کا سبب بنتی ہے۔ یہ ایک انتہائی خطرناک صورت حال ہے۔ بعد میں اگر والدین انہیں دینی تعلیم دلانا بھی چاہیں گے تو یہ تعلیم صرف ان کی زبان تک رہے گی۔ نہ دلوں میں اُترے گی نہ اعمال میں ان کی جھلک نظر آئے گی۔ جب نرسری سے یہ بچے اوپر کی کلاسوں میں جاتے ہیں تو انہیں Pray کتابیں دی جاتی ہیں تاکہ نصرانیت کے جو نقوش نظمیں گا کر ان کے دل پر بنے ہیں وہ کتابیں پڑھ کر اور گہرے ہو جائیں گے۔

جمعہ:۔ اسلام میں اس دن کو بڑی عظمت اور تقدس حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ایک مستقل سورہ سورۂ جمعہ کے نام سے آیا ہے۔ اس دن کے لیے حکم ربانی ہے کہ جب جمعہ کی اذان تمہارے کانوں تک پہنچے تو اپنی تمام مشغولیات کو چھوڑ کر اور خرید و فروخت بند کر کے مسجد کی طرف دوڑ پڑو۔ خدا کا شکر ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی اسی (۸۰) نوے (۹۰) فیصد مسلمان جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں۔ مسلمانوں کی ان بستیوں میں جہاں دین سے بے حسی اور بے تعلقی کا عالم دیکھ کر کلیجہ کڑھتا ہے۔ کم از کم جمعہ کا اہتمام پایا جاتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی دینداری کا ماحول سا بن جاتا ہے۔ جسے دیکھو نماز کی تیاری میں لگا ہوا ہے۔ بچے بڑوں سے بھی آگے ہیں وہ ان سے پہلے نماز نہا دھو کر اچھے کپڑے پہن کر اور سر پہ ٹوپی اوڑھ کر مسجد پہنچ جاتے ہیں۔ اس طرح گو ہفتہ میں ایک دن ہی سہی مسجد اور نماز کا تعلق بنا رہتا ہے۔ آگے چل کر خدا نے توفیق دی تو یہ روزانہ کا معمول بن جائے گا، لیکن جو بچہ جمعہ کی نماز ہی نہ پڑھے وہ آگے چل کر پانچ وقت کی نماز کیا پڑھے گا۔ نماز کا سوال تو بعد میں آتا ہے وہ یہی نہیں جانتا کہ جمعہ کیا ہے۔ یہودیوں میں جس طرح سنیچر کے دن کو تقدس حاصل ہے اسی طرح عیسائیوں میں اتوار کو اہمیت حاصل ہے۔ ہندوؤں کے بعض طبقوں میں وہی تقدس اور اہمیت جمعرات کو حاصل ہے۔ ان سکولوں میں ہفتہ میں دو دن چھٹی ہوتی ہے۔ کہیں سنیچر اتوار ہے کہیں جمعرات اور اتوار۔ جمعہ کسی فہرست میں نہیں۔ جمعہ کو جس وقت مسلمانوں کے بچے مسجد جانے کی تیاریوں میں لگے ہوتے ہیں اس وقت اسکول میں ان بچوں کے جسم میں نصرانیت کے جراثیم اور فرنگیت کا زہر داخل کیا جاتا ہے۔ یہ کھلی ہوئی اسلام دشمنی ہے۔ ورنہ خود ان کے عقیدے کے مطابق جمعہ ان کے لیے سب سے

محترم اور مقدس دن ہے۔اسی دن ان کے یسوع مسیح تمام انسانوں کی نجات وفلاح کے لیے صلیب پر چڑھے تھے۔اسی دن یہ گُڈ فرائی ڈے مناتے ہیں۔

نصاب:۔دو تین کلاس کے بچوں کے کورس میں اتنی ڈھیر ساری کتابیں ہوتی ہیں کہ ذہن ان کا متحمل نہیں ہو پاتا۔والدین دو دو تین تین ٹیوشن کرواتے ہیں کہ کس طرح ان کا بچہ پڑھ لے ۔ان اسکولوں میں پڑھایا کم جاتا ہے ہوم ورک زیادہ کروایا جاتا ہے۔ادھر پرائیوٹ ٹیوٹر کا کام الگ کرنا ہے۔اس بیچارے کے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ قرآن اور اردو (یا جو بھی مادری زبان ہو) کی طرف دھیان دے سکے۔ان غارتگروں نے کورس ہی ایسا تیار کیا ہے کہ بچہ کے دل و دماغ کی ساری توانائی گارجین کی تمام توجہ اسی پر لگی رہے۔

میں انگریزی زبان کے خلاف نہیں انگریزی تہذیب (جو سرے سے کوئی تہذیب ہی نہیں سراسر بدتہذیبی ہے) کے خلاف ہوں۔تعلیم کے پردے میں نصرانیت کی تبلیغ کے خلاف ہوں ۔ترقی پسندی کے نام پر نئی نسل میں اسلامی شعار اور اسلامی معاشرت سے بے تعلقی ،نفرت اور بیزاری پیدا کرنے کی جو مہم چل رہی ہے اس کے خلاف ہوں۔کئی برس اس زہریلے ماحول میں رہنے پر جب نصرانیت اور فرنگیت اپنا رنگ جما لیتی ہے ،تو ان لڑکوں کو اپنا مذہب، اپنی تہذیب، اپنی زبان اور اپنا لباس کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔سب میں گنوار پن اور قدامت پسندی کی بُو آتی ہے۔یہ اپنی شناخت پر شرمندہ ہوتے ہیں لہٰذا یہ کھانے پینے ،اُٹھنے بیٹھنے، پہننے اوڑھنے ، ملنے ملانے اور بات چیت کرنے میں اس ناپاک تہذیب کی پوری نقالی کرتے ہیں۔اور اس طرح رسول پاک ﷺ کی اس حدیث کی وعید میں داخل ہوتے ہیں کہ جو جس کی نقالی کرے گا اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں مجھے ذرا بھی انکار نہیں کہ آج کی دنیا میں انگریزی ایک ترقی یافتہ زبان ہے۔اس ایٹمی اور خلائی دور اور کمپیوٹر ایج میں بغیر اس زبان کی واقفیت کے علم کی اعلیٰ سند حاصل نہیں کی جاسکتی۔اسے سیکھو مگر اپنے آپ کو بھول کر نہیں ۔اسے ضرور حاصل کرو مگر اپنا سب کچھ گنوا کر نہیں۔ایک انگریزی پر ہی کیا موقوف ، بہت سی اچھی اور کارآمد زبانیں ہیں۔فرنچ ، جرمنی ، روسی خدا ہمت اور توفیق دے تو سیکھو! مگر یاد رکھو جب تک اپنی مادری زبان پر عبور حاصل نہیں ہوگا دوسری زبان پر بھی عبور نہیں ہوگا۔اپنی زبان

سے جس قدر واقفیت ہوگی اس قدر دوسری زبان سیکھنے میں سہولت ہوگی ، کیوں کہ ہر آدمی اپنی مادری زبان میں سوچتا ہے اور اپنی سوچ کو ہی دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے۔اگر اس کو اپنی زبان کے ادبی پہلو اور قواعد پر گرفت نہیں ،تو اس کی انگریزی بھی سطحی اور ناقص ہوگی۔میں نے ان اسکولوں کے بہت سے لڑکوں کو دیکھا ہے اور ان کی گفتگو سنی ہے سوائے اس کے کہ وہ ذرا بے تکلفی سے بول لیتے ہیں۔ان کی انگریزی میں اور کوئی بات نہیں ہوتی۔البتہ اسکول سے نکلنے کے بعد ان کے پاس تین سرٹیفکیٹ ہوتے ہیں۔جو اس کے کام آتے ہیں۔(۱) جدید ترین فیشن (۲) بے باک سمارٹ نیس (۳) دوستوں اور بازروں میں بولی جانے والی انگریزی میں تھوڑی روانی اور یہ تینوں خوبیاں ایسی ہیں جن کی صنعت کاروں ،تاجروں اور کپڑے اور حسن افزاء چیزوں (Cosmetic) کی دکانیں چلانے والوں میں بڑی مانگ رہتی ہے، کیوں کہ انہی خوبیوں کی مدد سے وہ بڑے ڈیلرس ،موٹی موٹی اور سنہری مچھلیاں پھانستے ہیں۔لہٰذا انہیں جلدی ہی کہیں نہ کہیں سیلز مین ،سیل آفیسر ، مارکٹنگ آفیسر ، برانچ منیجر یا ایسی ہی کوئی نوکری مل جاتی ہے ۔بس! یہ ہے ان اونچے اونچے حسین خوابوں کی تعبیر جو والدین اپنے بچوں کو ان بڑے بڑے اسکولوں میں داخل کرتے وقت اپنی آنکھوں میں سجاتے ہیں۔خیر یہ بچے کسی ٹھکانے تو لگ گئے ۔مگر یہ محلے محلے انگلش میڈیم کے پرائیوٹ اسکول ہماری قوم کے تجارت پیشہ لوگوں نے کھول رکھے ہیں۔ان میں پڑھ کر بچے نہ گھر کے رہتے ہیں نہ گھاٹ کے۔یہ تعلیم کے نام پر تجارت کرتے ہیں۔کمیشن بندھی ہوئی دکانوں سے سامان لینے کی تاکید کرتے ہیں۔یونیفارم کا کپڑا اُس دکان سے لینا، کاپی ربر اور پنسل اس دکان سے اور واٹر بوتل فلاں دکان سے۔چاہے ایک کے چار کیوں نہ لگیں۔اور سینے!

آپ کا بچہ پڑھائی میں بے حد کمزور ہے، اگر ٹیوشن نہ رکھا تو فیل ہو جائے گا۔اور اس کا ایک سال ضائع ہو جائے گا۔یہ ڈر رکھ کر وہی ٹیچر موٹی رقم فیس لے کر ہفتہ میں صرف تین دن پڑھاتا ہے۔اور پڑھاتا کیا ہے امتحان میں آنے والا سوال رٹا دیتا ہے۔بچہ پاس ہو جاتا ہے آپ خوش ہو جاتے ہیں، اور اس طرح ٹیوشن کے نام پر اپنے گھر میں باقاعدہ کلاس کرتا ہے اور دس پندرہ بچوں کو ایک ساتھ پڑھا کر ہزاروں روپئے الگ کماتا ہے۔جو والدین انگریزی نہیں

جانتے وہ بچے کے ممی، ڈیڈی ٹاٹا اور بائی بائی کہہ لینے سے یہ سمجھ کر پھولے نہیں سماتے کہ ان کے لاڈلے کو انگریزی آ گئی ہے۔

حالانکہ اسے نہ اسکول میں انگریزی آئی نہ گھر میں قرآن اُردو پڑھایا گیا۔ نہ دنیا ہاتھ لگی نہ دین۔ اس بھیڑ چال کو چھوڑیے!! اگر آپ اپنے بچے کو قرآن اور اردو پڑھائیں۔ قرآن اس کے ایمان کی حفاظت کرے گا اور اُردو کی اس کی تہذیب کی۔ مولانا محمد علی جوہرؔ اُردو کے اچھے شاعر اور پُر جوش مقرر تھے۔ ساتھ ہی انگریزی بھی سیکھی اور ایسی سیکھی کہ اپنی ایڈیٹری میں ایک انگریزی اخبار کامریڈ نکالا۔ آزادی کے موقف میں لندن میں ایسی رواں اور شستہ تقریر انگریزی زبان میں کی کہ انگریز منہ تکتے رہ گئے۔ مولوی عبدالحق بابائے اردو کہلاتے تھے۔ انگریزی کی ایسی جامع واقفیت حاصل کی کہ انگریزی اردو کی ایک بڑی لغت لکھ ڈالی۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کو کون نہیں جانتا۔ اردو فارسی کے جید عالم تھے مگر انگریزی کی معلومات اور اس پر عبور کا یہ عالم تھا کہ بیرون ملک کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں لکچیر دینے جایا کرتے۔ آج بھی اس کلکتہ میں دیکھ لیجئے! جتنے ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، چارٹرا کاؤنٹنٹ، ائی ایس ائی اور آئی پی ایس آفیسر وغیرہ ہیں، زیادہ تر اردو بنگلہ یا ہندی میڈیم سے پڑھے ہوئے ہیں اور انگلش بھی اچھی جانتے ہیں۔ اب رہے وہ لوگ جن پر فرنگیت کا جادو پوری طرح چل چکا ہے، جنہوں نے انگریزی تہذیب کو دنیا کی سب سے اچھی تہذیب سمجھ کر اپنا لیا۔ کاش وہ کبھی انگلینڈ، فرانس اور امریکہ گئے ہوتے یا وہاں کی رپوٹیں پڑھی ہوتیں، تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ تہذیب کیا ہے۔

انگریزی کلچر:۔ یہ وہ تہذیب ہے جس میں آوارگی کا نام شرافت اور عریانیت کا نام ترقی پسندی ہے۔ اس تہذیب میں وہ لڑکی اسمارٹ ہوتی ہے جو منی اسکرٹ پہنتی ہے اور وہ لڑکی اس سے زیادہ اسمارٹ ہوتی ہے جو مائیکرو منی سکرٹ پہنتی ہے اور سب سے زیادہ سمارٹ اور اڈوانس وہ لڑکی ہوتی ہے جو کپڑوں سے قطعی بے نیاز ہو کر لوگوں کے درمیان سمندر کے ساحل پر ننگی پڑی رہتی ہے اس ادائے مستانہ کو اس تہذیب میں غسل آفتابی (Sun Bath) کہتے ہیں۔ یہ وہ تہذیب ہے جس میں گرل فرینڈ اور پرسنل سکریٹری جیسے خوبصورت اور پُر فریب نام دیکر عورت کو داشتہ بنا کر رکھا جاتا ہے۔ جب ایک بارہ سال کا لڑکا پندرہ سال کی لڑکی کے بچے کا باپ بن

جاتا ہے تو لوگ اس کی زیارت کو آتے ہیں، پریس اس واقعہ کی فخریہ تشہیر کرتا ہے اور حکومت اس قابل قدر کارنامے پر اس نابالغ باپ کو خصوصی انعامات سے نوازتی ہے۔ حواس خمسہ کی ہر حس کے لیے اس تہذیب میں جنسی محرکات اور شہوانی ہیجانات کی اس قدر فراوانی ہے کہ ایک لڑکی اپنی دوشیزگی کا بوجھ اُتار پھینکنے کے لیے اپنی بلوغت کا بھی انتظار نہیں کر پاتی۔ اس تہذیب میں ایک شوہر کو یہ حق نہیں ہوتا کہ جب اس کی شریک حیات خلوت میں اپنے کسی آشیانے کے ساتھ محو اختلاط ہو تو وہ اسے ڈسٹرب کرے۔ اگر اس نے ایسا ظلم کیا تو قانون اس مظلوم عورت کا ساتھ دے گا اور اسے ایسے ''غیر مہذب'' شخص سے فوراً نجات دلائیگا۔

یہ وہ تہذیب ہے جسمیں مرد کو مرد سے شادی کرنے کا قانونی اجازت حاصل ہے۔ سوئڈن، ناروے اور ڈنمارک میں ایسی شادیاں بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہیں۔ دعوت نامے چھپتے ہیں، رشتہ دار، احباب اور امراء بڑے اہتمام سے شرکت کرتے ہیں پتہ نہیں ایسی دلہنوں کو وہاں کیا کہتے ہیں؟ اس تہذیب نے عورتوں سے گھر کی چھت اور بچے کے سر سے باپ کا سایہ چھین لیا۔ آج یورپ میں، جو اس تہذیب کا جنم داتا ہے، ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اپنے کتوں اور گھوڑوں کی سات پشتوں کا شجرہ تو جانتے ہیں مگر اپنی نسل کا علم نہیں۔ علم کے میدان میں ترقی کا یہ عالم کہ اربوں میل دوستاروں کے ہجوم بے پناہ میں ایک نئے ستارے کو تو ڈھونڈ لیتے ہیں مگر اخلاقی پستی کا حال یہ ہے کہ شہر میں اپنے باپ کا پتہ نہیں چلا سکتے۔ اس تہذیب کا اصل مقصد عورت کو آزادی کے بہانے ننگا کر کے اس کے جسمانی نشیب و فراز سے اپنی ہوسناک نگاہوں کو سینکنا اور اس کی جوانی سے بغیر اخلاقی اور قانونی گرفت کے کسی سماجی ذمہ داری کے لطف اندوز ہونا ہے۔ مگر عورتوں کو بیوقوف بنانے کی یہ چال بہت مہنگی پڑی آج اس تہذیب کے دامن میں ان کے لیے ذہنی خلفشار، اعصابی تناؤ، بے خوابی اور ایڈس (Aids) کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جن کی یہ تہذیب ہے انہیں مبارک ہو۔ ہمارے لیے اس میں کیا دھرا ہے۔ اس کی ہر بات اور ہر ادا سنت کے خلاف ہے۔ جو اس تہذیب سے جس قدر قریب ہوگا وہ اپنے نبی ﷺ سے دور ہوگا۔ اس تہذیب نے ترقی سے مسلم خلافت اور اسلامی قدروں کا خاتمہ کر کے وہاں کے مسلمانوں کی شناخت گم کر دی۔ نہ جانے ایسی کتنی مسلم مملکتیں ہیں جہاں کے مسلمان سب کچھ لگتے ہیں مگر

مسلمان نہیں لگتے۔خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اب تک غنیمت ہیں،لیکن اگر ہم اب بھی نہ سنبھلے اور اس ریس میں شامل ہوتے رہے تو ہماری نسلوں کا خدا ہی حافظ ہے۔کچھ بچے جوان سکولوں میں پڑھنے کے باوجود مسلمانوں کے بچے معلوم ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے گھر والوں میں کچھ دینداری ہے،اللہ،رسول ﷺ کا تھوڑا بہت ذکر ہے،کسی درجہ میں سہی نماز روزہ کی کچھ پابندی ہے۔خود ان بچوں میں قران اور اردو کی کچھ تعلیم ہے۔لیکن بمشکل سو (۱۰۰) میں دو ایک گھرانے ایسے نکلیں گے،لیکن اگر تعلیم کا یہی سلسلہ چلتا رہا،تو موجودہ نسل سے نہ سہی آئندہ نسلوں سے دین جاتا رہے گا۔

خدانخواستہ ایسا ہوا تو ہمارا گناہ شرک سے بھی بڑا ہوگا جسے خدا کبھی معاف نہ کرے گا۔ان سکولوں کے چونچلے سہتے سہتے اور سکولوں کے نخرے اٹھاتے اٹھاتے گارجنوں (والدین) کی کمر دوہری ہوئی جارہی ہے اور بچوں کے ہاتھ کیا آرہا ہے؟ جہنم کے انگارے! میں نے ایسے کئی بچوں کو ٹٹولا۔کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت تو کیا پہلا کلمہ تک نہیں معلوم۔بتاؤ تو الفاظ تک نہیں نکلتے،ہنستے ہیں کہ کس آفت میں پڑھ گئے۔اپنی زبان کا یہ حال ہے کہ جب تک Friday کہہ کر نہ سمجھایا جائے جمعہ نہیں سمجھتے۔اور جب تک seventeen کہہ کر نہ بتایا جائے سترہ (17) نہیں سمجھتے۔خالہ خالو،پھوپھی اور پھوپھا کو اس وقت تک نہیں پہچان سکتے جب تک آنٹی اور انکل کہہ کر نہ بتایا جائے۔اب تو ایسا لگتا ہے کچھ دنوں میں ان بچوں کو انگلش میڈیم سے اللہ اور رسول ﷺ کے بارے میں سمجھانا پڑیگا کہ بیٹے! جس سے تم GOD کہتے ہو اسے ہی ہم اللہ میاں کہتے ہیں اور جیسے تمہارے Jesus Christ ہیں ویسے ہی ہمارے Prophet محمد ﷺ صاحب ہیں خدا کی قسم! اگر ہم نے اپنی روش نہ بدلی تو ایسا ہی ہوگا۔ہم نے اپنی جاگتی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے۔اپنے وقت کے سب سے بڑے خیال کے گائک کا اسی کلکتہ میں موٹر کے حادثے میں انتقال ہوگیا۔جب ان کی لاش دفنائی جاچکی اور سب ہاتھ اُٹھا کر مرحوم کے لیے مغفرت کی دُعا مانگنے لگے تو خان صاحب کی بیوی سے اپنے گیارہ بارہ سال کے بچے نے بڑے بھولے پن میں حیرت کے لہجے میں پوچھا دُعا کیا ہوتا ہے ممی! مجھے نہیں معلوم،تو ماں نے انگلش میڈیم سے دُعا کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا،بیٹے! جیسے تم فادر کے ساتھ سکول میں

Pray کرتے ہو بس ویسے ہی انگریزی میں GOD سے اپنے پاپا کے لیے جو سمجھ میں آئے بولو!

یہی اولاد صدقہ جاریہ بن کر جب تک زندہ رہتی باپ کی روح کو ثواب پہنچاتی رہتی اور قیامت میں اس کے لیے سفارش کرتی،اگر اس کی تعلیم و تربیت اسلامی طریقے پر ہوتی۔اب یہ بچی ماں باپ کے لیے عذاب جاریہ کا سبب بنے گا اور جب تک زندہ رہے گا اس کی ہر غیر اسلامی حرکت اپنے والدین کے نامہ اعمال کو بوجھل کرتی رہے گی۔

ہزاروں میل دور عرب سے اُڑ کر یہ دین ہم تک پہنچا۔خدا کے لاکھوں نیک بندوں نے ناقابل برداشت مصیبتیں اُٹھا کر ایسے ظلم جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں سہہ کر بے مثال جانی و مالی اور جذباتی قربانی دے کر یہ پیارا دین ہم تک پہنچایا ہے۔آج ایک خوب صورت فریب کے دھوکہ میں آکر اسے اپنے گھر اور بچوں کی زندگی سے نکال رہے ہیں۔آج اس واقعہ کی سنگینی کا احساس نہیں،لیکن کل قیامت کے دن جب اللہ ان بچوں سے پوچھے گا کہ تم کیسے اس حالت میں آئے۔نہ ہمیں جانتے ہو نہ ہمارے رسول ﷺ کا نام جانتے ہو۔نہ نماز جانتے ہو نہ روزہ۔تو ہمارے یہ بچے اپنی لاعلمی اور دین سے بے خبری کی ساری ذمہ داری ہمارے سر ڈالتے ہوئے کہیں گے۔**ربنا انا اطعنا سادتنا و کبراء نا فاضلونا سبیلا. ربنا اٰتھم ضعفین من العذابِ و العنھم لعنا کبیراً** (احزاب ۶۷،۶۸)

ترجمہ:۔اے ہمارے رب ہم نے اپنے بزرگوں اور بڑوں کا کہنا مانا تھا۔سوانہوں نے ہم کو سیدھی راہ سے گمراہ کردیا۔ہمارے رب ان کو دہری سزا دیجئے اور ان پر لعنت کیجئے) وہ وقت نہایت بے بسی،بیچارگی اور پچھتاوے کا ہوگا،لیکن افسوس کہ اس وقت کی پشیمانی اور ندامت کچھ کام نہ دے گی۔آج وقت ہے،ہوش و حواس قائم ہیں۔خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ لیں کہ کل حشر میں اللہ کی عدالت میں ہمارے بچے ہمارے خلاف گواہی دے کر دردناک عذاب کی اپیل کرنے والے نہ بنیں۔سوچئے اور خوب اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کیجئے کہ آپ کے اسی فیصلہ پر اللہ کے اُس فیصلہ کا دارومدار ہے جو کل قیامت میں آپ کے بارے میں ہونے والا ہے

(مقصود انور یکم جنوری ۱۹۹۸)

دلی تمنا اور برادرانہ درخواست :۔ میری دلی تمنا ہے کہ میری یہ آواز ہندوستان کے ہر اردو بولنے والے مسلم گھرانے تک پہنچ جائے، لیکن میں جانتا ہوں کہ ہندوستان تو کیا صرف کلکتہ کے ہر ایسے گھر تک اپنی آواز پہنچانا ایک اکیلے آدمی کے بس کی بات نہیں۔ پھر بھی مجھ جیسے کمزور، بیمار اور معذور سے جو ہو سکا کیا۔ اس کتاب کے علاوہ میں نے تین اور کتابیں ''انگلش کلچر اور ہماری بچیاں''، شیطانی ترکش کا سب سے زہریلا تیر'' اور ''کشتیٔ نوح''، جتنی ہو سکیں چھپوا کر بانٹ دیں۔ اب ملت کا درد رکھنے والے اہل خیر احباب سے برادرانہ درخواست ہے کہ اس سلسلے کو جس کا میں نے صرف آغاز کر دیا ہے قائم رکھیں اور آگے بڑھائیں۔ اس کار خیر میں آپ کا وقت، جتنے پیسے لگیں گے وہ بیکار نہیں ہو جائیں گے۔

انشاء اللہ آپ کا یہ عمل ثواب جاریہ بن کر آپ کی آخرت کے سارے مرحلوں کو آسان کر دے گا۔

ادبِ اسلامی

آسی غلام نبی فتحگڈھی

میری استدعا

تو بے ابتدا ہے تو بے انتہا ہے
مجھے بخش دے اب یہی استدعا ہے
میری زندگی کا یہی اک مدعا ہے
مجھے بخش دے اب یہی استدعا ہے
تیری نعمتوں میں پلا ابتدا سے
ادا شکر کچھ نہ ہوا اس گدا سے
یہ لاریب میری بڑی اک خطا ہے
مجھے بخش دے اب یہی استدعا ہے
ادا حق نہ کچھ بھی ہوا بندگی کا
نہ کچھ فائدہ ہی ہوا زندگی کا
گنہگار عاجز کی اب یہ صدا ہے
مجھے بخش دے اب یہی استدعا ہے
ہوا بھی مخالف فضا بھی مخالف
زمانے کی ہر شئے ہماری مخالف
یہ اپنے ہی اعمال کی اک سزا ہے
مجھے بخش دے اب یہی استدعا ہے
بغاوت ہے ظاہر میری ہر ادا سے
پڑھا کچھ نہ میں نے کتاب ہدیٰ سے

خطاؤں پہ شرمندہ آسی سدا ہے
مجھے بخش دے اب یہی استدعا ہے

تیری اک زیارت ہونصیب

سالک بلال

میرے دل میں بس اک شوق ہے تیری اک زیارت ہونصیب
تیری اک زیارت ہونصیب تیری اک زیارت ہونصیب
اس شب سے بڑھکر کون شب میرے لیے ہے خوب تر
جس شب میں تیری اک نظر کی سعادت ہونصیب
دل میں تمنا بس یہی میرے رگ و پے میں ہو تو ہی
تیرے اسوے کی خوب تر اک ایک عادت ہونصیب
تیری سنت میں نور ہے بس چین ہے سرور ہے
میری یہ خواہش ضرور ہے اس کی حلاوت ہونصیب
غیروں کی راہ پر کیوں چلوں میرے لیے تعذیب ہے
تیری ہی اک تہذیب ہے جسکو مداومت ہے نصیب
تیری شریعت کا مقام ہیں جانتے ہر خاص و عام
اسکے غلبہ و قیام کی اب سعادت ہونصیب
صدیقؓ تیرا یار غار برداشت کیا جس نے زہر مار
دست دعا ہوں بار بار ویسی صداقت ہونصیب
فاروق اعظمؓ کا عدل اسکا نہیں کوئی بدل
دنیائے جنگ و جدل کو وہ عدالت ہونصیب
عثمان غنیؓ کا حیا تاریخ عالم میں عیاں
ملت کے بے حیا فرزنداں کو وہ شرافت ہونصیب

حضرت علیؓ شیر جبار تلوار اس کی ذوالفقار
امت کو پھر ایک بار ویسی حرارت ہونصیب
بنت نبی وہ فاطمہؓ ہو بے پردگی کا خاتمہ
یا رب بنات فاطمہؓ کو وہ شرافت ہونصیب
سالک بہت مایوس ہے امت ہپ صد افسوس ہے
دشمن بڑا جاسوس ہے اسکی بغاوت ہونصیب

تذکرۃ الصالحین

یادرفتگاں

از غلام حسن مون صاحب بارہمولہ

مولانا احمد سعید دھلوی المعروف سحبان الہندؒ

آپ کوچہ ناہر خان دریا گنج دہلی میں ۱۸۸۸ء میں تولد ہوئے۔ مدرسہ امینیہ دہلی سے فارغ التحصیل ۱۳۳۶ھ بمطابق (۱۹۲۱ء) میں ہوئے۔ تحریک خلافت اور تحریک آزادی ہند جمیعت علمائے ہند کی قیادت میں سرگرم حصہ لے کر آٹھ بار جیل یاتری کی۔ مدت اسیری تقریباً پندرہ سال تک محیط ہے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے مشہور و معروف خطیبوں اور سحر البیان واعظین میں ہوتا ہے۔ اس لیے سحبان الہند کے خطاب سے سرفراز تھے۔ تقسیم ہند ۱۹۴۷ء کی پاداش میں ہندوستان کے مسلمانوں پر جو قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی بالخصوص دہلی کے مسلمانوں پر بربادی، تباہی، قتل وغارت گری کے خطرناک دور کا سامنا کرنا پڑا اس کے کارن مولانا صاحب نے اپنے خاص رفقائے کار کے ساتھ جان ہتھیلیوں پر ڈال کر مسلمانوں کی حفاظت اور بچاؤ کے لیے مثالی اور ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا اس وجہ سے دہلی کے مسلمانوں اور باہر سے آمادہ رفیوجیوں کے قدم جمانے میں ان کے مساعی جمیلہ کا کافی حصہ ہے۔ سحر البیان خطیب ہونے کے علاوہ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، مزید برآں آپ نے تفسیر کشف القرآن بھی تحریر فرمائی۔ ان کی دو کتابیں جنت کی کنجی اور دوزخ کا کھٹکا کافی مشہور ہیں۔ تاریخ وفات ۴ دسمبر ۱۹۵۹ء بہ مقام دہلی ہے۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ

ولادت جلال آباد گوجرانوالہ سال ۱۸۸۶ء وفات بہ مقام لاہور ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء۔ آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ اپنے دور کے مشہور ترین مفسرین کرام میں آپکا شمار ہوتا

تھا۔ آپ بانی انجمن خدام دین لاہور اور اس ادارہ کے امیر اور شیخ التفسیر بھی تھے۔ فن التفسیر میں مولانا عبید اللہ سندھی کے شاگرد خاص تھے۔ سلوک اور طریقت میں بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ جمیعت العلماءِ ہند کے اہم راہنماؤں میں تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے طلباء دورۂ حدیث سے فراغت پا کر ایک سال تفسیر اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصنیف حجۃ اللہ بالغہ کی مشق کے لیے لاہور آپ کی خدمت میں جاتے تھے۔ مگر یہ تقسیم ہند سے پہلے دور کی بات ہے۔ آپ کے فرزند مولانا عبید اللہ انور بھی اعلیٰ پایہ کے عالم دین تھے، جو انجمن خدام دین لاہور میں اپنے والد بزرگوار کے قائم کردہ ادارے کو چلاتے تھے۔

علامہ اقبال سہیل احمد خانؒ

ولادت موضع بڑھیریا ضلع اعظم گڈھ ۱۸۸۵ء وفات بمقام اعظم گڈھ ۷ نومبر ۱۹۵۵ء۔ آپ اردو اور فارسی کے بلند پایہ شاعر، بہترین نثر نگار اور لاجواب مقرر، بلا کی ذہانت، حاضر جوابی میں خاص ملکہ، فی البدیہہ شاعری ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ سرائمیر میں پانے کے بعد علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کی۔ علی گڈھ کے دورانِ قیام میں سٹوڈنٹس یونین کے عہدہ دار منتخب ہوئے۔ اس کے بعد پیشہ وکالت سے پیوست ہوئے۔ ان کی نعت ''موج کوثر'' طویل ہونے کے باوجود اس صنف میں مثالی حیثیت کی حامل ہے۔ انجمن فردوس ادب لکھنو ہر سال ۱۲/ربیع الاول کے دن امین الدولہ پارک میں ایک فقید المثال مشاعرہ مدح صحابہ میں منعقد کرتی تھی۔ اس شب میں پورا لکھنو شہر بجلی کی روشنی میں جگمگاتا تھا۔ اور ایسے میں یہ مشاعرہ پوری رات چلتا تھا۔ اس مشاہرہ کے روح رواں علامہ اقبال، سہیل ہوا کرتے تھے۔ اور کئی سالوں تک اس مشاہرہ کی صدارت کے فرائض نبھاتے رہے۔ اہل تشیع کے جواب میں ان کا ایک شعر تمام طویل نظموں پر بھاری ثابت ہوا، جو آج تک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے ؎

روئیں وہ جو منکر ہیں حیات شہداء کے
ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

سیاسیات میں وہ جمیعت علماء کے ہم خیال وہم مشرب تھے۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ سید سلیمان ندویؒ کی ''حیات شبلی'' سے پہلے انہوں نے علامہ شبلی نعمانیؒ کی سوانح حیات کا آغاز کیا تھا۔ مگر چند وجوہ کی بنا پر نا تمام رہ گئی۔ علامہ موصوف مولوی وحید الدین خان صاحب ''الرسالہ'' کے چچا تھے۔ مگر آپ صحیح العقیدہ اور راسخ الخیال ہونے کے ساتھ ساتھ سلف صالحین کے دلداہ تھے۔ حق مغفرت کرے کہ غیور اور ذہین وفطین بھی تھے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقیؒ ان کے ہم درس تھے۔ جنہوں نے ان کے بارے میں بلند بانگ توصیفی کلمات سے ذکر خیر کیا ہے۔ فی البدیہہ شاعری کی صنف میں اُن کی عظمت اس وقت آشکارا ہوئی، جب انہوں نے ۱۹۳۲ء میں حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ کی مدرسۂ سرائمیر کی آمد پر ایک منظوم کلام تخلیق کیا تھا۔ اس کے چند اشعار میں ہدیہ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں

اے سایہ ات بالِ ہما خوش آمدی خوش آمدی
اھلاً وسہلاً مرحبا خوش آمدی خوش آمدی
اے شمع ایوانِ حرم، اے دبستان حکم
اے خضر اربابِ ھدیٰ خوش آمدی خوش آمدی
اے خازنِ اربابِ حق، اے مہبطِ انوارِ حق
اے حق پسند وحق نما، خوش آمدی خوش آمدی
سرکردۂ اربابِ دین سردفتر اہل یقین
سرچشمۂ صدق وصفا خوش آمدی خوش آمدی
اے مستشار موتمن، اے مقتدائے ممتحن
اے بادلِ درد آشنا خوش آمدی خوش آمدی
اے قاسم فیض کہن، اے ظل محمود الحسن
اے یادگار اتقیاء، خوش آمدی خوش آمدی
اے یوسف کنعان ما بادا فدایت جانِ ما
ہاں اے اسیر مالٹا، خوش آمدی خوش آمدی

اے کنز اخبار نبی، مقبول سرکار نبی
اے پرتو شمع حرا، خوش آمدی خوش آمدی
اے نازش خاکِ وطن، اے مرجع اربابِ فن
اے درد دلہا را دوا خوش آمدی خوش آمدی
از مقدمت دل شاد شد، ویرانہ ام آباد شد
اے برتو چو من صد فدا، خوش آمدی خوش آمدی

ان اشعار کی مدح سرائی میں اربابِ علم وفن نے کافی کچھ ضبطِ تحریر میں لایا۔ حضرت تھانویؒ نے ان اشعار کو بے حد پسند فرما کر اپنی بیاض میں نقل کرایا۔ بہتر ہے کہ اُن کے ذاتی تاثرات اس ضمن میں نقل کر کے ہدیہ ناظرین کروں واقعی نفیس ہے اور لطف یہ کہ سلیس ہے گویا سہل ممتنع ہے۔ میں نے نقل کرائی'' (حکیم الامت تھانویؒ ص ۲۳۲)

مولانا عبدالماجد درآبادی نے ان الفاظ میں خراج ادا کیا ''صحیح زبان میں اتنی صحیح مدح صحیح موقع پر، صحیح شخص کے لیے شاعری کے عالم میں بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔ اللہ مادح کو جزائے خیر دے اور ممدوح کی عمر میں برکت نصیب فرمائے۔ (اخبارِ سچ ۲۰ مئی ۱۹۳۲ء)

باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ

سوال و جواب

شرعی اور فقہی اصطلاحات کی وضاحت

(سوال و جواب کی روشنی میں)

سوال:۔نصاریٰ کن کو کہتے ہیں؟

جواب:۔نصرانی لفظ ''نصاریٰ'' کا واحد ہے۔ایک عیسائی کو نصرانی کہتے ہیں اور بہت سارے عیسائیوں کو نصاریٰ کہتے ہیں۔نصرانی کا ایک معنیٰ مسیح کا پیرو ہے۔مسیح یا مسیحا حضرت عیسیٰؑ کا لقب تھا، جو بطور معجزہ مردہ کو زندہ کرتے تھے۔جو شخص حضرت عیسیٰؑ سے منسوب ہو اُس کو مسیحی بھی کہتے ہیں۔گویا نصرانی یا مسیحی ہم مفہوم لفظ ہے۔

سوال:۔نصرانیوں کا عقیدہ کیا ہے؟

جواب:۔ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہود نے پھانسی دی اور نہایت ذلت سے مارا اور عیسیٰؑ خدا سے بہت آہ وزاری کے ساتھ فریاد کرتے تھے کہ مجھے بچا اور ان کے ہاتھ سے چھڑا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عیسیٰ اور روح القدس اور خدائے تعالیٰ تینوں مل کر ایک ہیں۔

سوال:۔اس قسم کے عقیدے سے کون سی خرابی پیدا ہوتی ہے؟

جواب:۔اس عقیدے کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ جب عیسیٰ عین خدا یا خدا کا جُز ہے تو خدا اپنے آپ کو نہ بچا سکا اور خدا یہود کے ہاتھ سے قتل ہوا۔**تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیرا** (ترجمہ) اللہ کی ذات اس قسم کی کمزوری سے بہت ہی بلند و بالا ہے۔

سوال:۔یہودیوں کا بھی ایک مشہور اور غلط عقیدہ اللہ کے بارے میں ہے وہ کیا ہے؟

جواب:۔یہود کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام شب یعقوب سے کُشتی لڑتا رہا اور اندر جانے سے یعقوب مانع آتے تھے۔یہ بھی بہت ہی گندہ عقیدہ ہے کہ یعقوبؑ جو ایک اللہ کا بندہ تھا اللہ تعالیٰ کو اندر جانے سے مانع رہا۔

سوال:۔ہنود یعنی ہندوؤں کا اللہ کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟

جواب:۔ہندوؤں کا عقیدہ بھی خدا کے بارے میں ایک جھوٹے افسانے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ اوتار میں حلول کرتا ہے اور اوتار خود خدا ہوتا ہے۔یعنی جیسے کھانڈ یا نمک پانی میں گھل مل جاتا ہے اسی طرح اللہ اوتار کے ساتھ گھل مل جاتا ہے۔

سوال:۔حلول کسے کہتے ہیں اور اوتار کون ہوتا ہے؟

جواب:۔حلول اس عمل کو کہتے ہیں، جس کے ذریعے سے ایک چیز دوسری چیز میں اس طرح داخل ہوتی ہے کہ دونوں میں تمیز نہ ہو سکے۔اس عمل کو تناسخ اور آواگون بھی کہتے ہیں۔اور ہندو لوگوں کا اوتار کے متعلق یہ نظریہ ہے کہ خدا کسی جنم میں داخل ہو کر مخلوق کی اصلاح کے لیے دنیا میں آتا ہے۔

سوال:۔تناسخ اور آواگون کس کو کہتے ہیں؟

جواب:۔تناسخ کہتے ہیں کہ ایک صورت سے دوسری صورت اختیار کرنا۔روح کا ایک قالب سے دوسرے قالب میں جانا۔اسی عمل کو آواگون بھی کہتے ہیں۔دراصل آواگون ایک ہندی لفظ ہے، جس کا لفظی معنیٰ بار بار جنم لینا ہے۔اس کو تناسخ بھی کہتے ہیں۔آواگون یا تناسخ ہندوؤں کے مطابق بار بار جنم لینے کو کہتے ہیں۔بقول محمد کلیم صدیقی صاحب اس نظریہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ شیطان نے مذہب کے نام پر لوگوں کو اونچ نیچ میں باندھ دیا۔مذہب کے نام پر شودروں سے خدمت لینے اور ان کو نیچ سمجھنے والے مذہب کے ٹھیکیداروں سماج کے دبے کچلے طبقے کے لوگوں نے جب یہ سوال کیا کہ جب ہمارا پیدا کرنے والا خدا ہے اور اس نے سب انسانوں کو آنکھ، کان، ناک ہر چیز میں برابر بنایا ہے تو آپ لوگوں نے اپنے آپ کو بڑا اور ہمیں نیچا کیوں بنایا؟ اس کے لیے انہوں نے آواگون کا سہارا لیکر یہ کہہ دیا کہ تمہاری پچھلی زندگی کے کاموں نے تمہیں نیچ بنایا ہے۔

اس نظریہ کے اندر ساری روحیں دوبارہ پیدا ہوتی ہیں اور اپنے کاموں کے حساب سے اجسام بدل بدل کر آتی ہیں۔زیادہ بُرے کام کرنے والے لوگ جانوروں کے جسموں میں پیدا ہوتے ہیں۔ان سے زیادہ بُرے کام کرنے والے نباتات کی یونی (قالب) میں چلے جاتے ہیں، جن کے کام اچھے ہوتے ہیں موکچھ یعنی آواگون کے چکر سے نجات حاصل کرتے ہیں۔

آواگون کے خلاف تین دلائل

(۱) اس سلسلے میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ساری دنیا کے عالموں اور ریسرچ کرنے والے سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اس زمین پر سب سے پہلے نباتات پیدا ہوئی، پھر جانور پیدا ہوئے اور اس کے کروڑوں سال بعد انسان کی پیدائش ہوئی۔ اب جبکہ انسان ابھی زمین پر پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور کسی انسانی روح نے ابھی بُرے کام ہی نہیں کئے تھے تو کن روحوں نے پیڑ، پودوں اور جانوروں کے جسم میں جنم لیا؟

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس نظریہ کو مان لینے کے بعد یہ ماننا پڑے گا کہ اس زمین پر جانداروں کی تعداد میں لگاتار کمی ہوتی رہی ہے، جو روحیں آواگون سے نجات حاصل کرلیں گی ان کی تعداد کم ہوتی رہنی چاہیے، جبکہ یہ حقیقت ہمارے سامنے ہے کہ اتنی بڑی زمین پر انسانوں، جانوروں اور نباتات ہر طرح کے جانداروں کی تعداد میں لگاتار اضافہ ہوتا رہا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ اس دنیا میں پیدا ہونے والوں اور مرنے والوں کی تعداد میں زمین و آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے۔ مرنے والے انسانوں کی مناسبت میں پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ کبھی کبھی کروڑوں مچھر پیدا ہو جاتے ہیں، جبکہ مرنے والے اس سے بہت کم ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں بچوں کے بارے میں یہ مشہور ہو جاتا ہے کہ وہ اس جگہ کو پہچان رہا ہے جہاں وہ رہتا تھا، اپنا پرانا نام بتا دیتا ہے اور یہ بھی کہ وہ دوبارہ جنم لے رہا ہے۔ یہ سب شیطان اور بھوت پریت ہوتے ہیں، جو بچوں کے سر چڑھ کر بولتے ہیں اور انسانوں کے دین و ایمان کو خراب کرتے ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ یہ سچائی مرنے کے بعد ہر انسان کے سامنے آجائے گی کہ انسان مرنے کے بعد اپنے مالک کے پاس جاتا ہے اور اس جہاں میں اس نے جیسے کام کئے ہیں اس کے حساب سے سزا یا اچھا بدلا پائے گا۔

(سوال) ہندوؤں کے عقیدہ کے برعکس مسلمانوں کا عقیدہ کیا ہے؟

(جواب) اس کے برعکس مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صفت ارادی حاصل ہے۔ وہ کسی بھی چیز کو موجود یا معدوم کرسکتا ہے۔ اس کی قدرت سب اشیاء پر برابر ہے۔ جس وقت

اور جس طرح چاہتا ہے سب کچھ کرسکتا ہے۔ ہر چیز اس کے ارادے سے ہوتی ہے۔ ازل میں جو ارادہ کرلیا تھا اب اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔ اس کا ارادہ ازلی ہے اور تعلقات حادث ہیں۔ اللہ کی مشیت اور ارادہ ایک ہی ہے۔ **قال اللہ تعالی فعال لما یرید** یعنی جس چیز کا وہ ارادہ کرتا ہے اس کو اسی وقت کرلیتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ کسی چیز کا ارادہ کرے پھر وہ چیز نہ ہو جائے اور خدا کا عاجز ہونا لازم آئے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ عالم اور اس کا یہ رنگا رنگ نظام جس پر غور کرنے سے تمام عقل مند لوگ حیران رہ جاتے ہیں اور اس عالم کے قسم قسم لے عجائب جن کو دیکھ کر تمام دانا لوگ سرگرداں و حیران ہیں اس منظّم سسٹم کا وجود بغیر کسی کے ارادے کے ناممکن ہے۔ کیونکہ جو کام بغیر کسی ارادے کے خود بہ خود ہو جائیں گے جیسے ایک مرتعش شخص ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ خود بخود کانپتے رہتے ہیں اس کی ان بے اختیار حرکتوں سے کوئی منظّم کام نہیں ہوسکتا ہے۔ پس چند نام نہاد داناؤں کا یہ دعویٰ کہ اللہ تعالیٰ سے عالم کا یہ سارا مضبوط نظام بغیر کسی ارادے اور اختیار کے سرزد ہوا ہے بالکل غلط اور خلاف تحقیق ہے۔ اسی طرح بعض اہل کتاب اور ہنود (Hindus) کا یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ بعض چیزوں کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس سے وہ کام نہیں ہو پاتے ہیں غلط ہے اور اس قسم کا گمراہ کن عقیدہ ان کی ناقص سمجھ پر دلالت کرتا ہے۔ خلاصہ اس ساری بحث کا یہ ہے کہ سارا عالم اور اس کی ہر حرکت اللہ کے ازلی اختیار سے ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ صاحب ارادہ ہی نہیں ہیں بلکہ **علیم** (صاحب علم) بھی ہے۔ کہ ہر چیز کی اس کو خبر ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ **ان اللہ بکل شئ علیم** ترجمہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی خبر ہے پس اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے یا جو کچھ اس وقت تک ہوا یا آئندہ ہوگا اس سب کو وہ علمی اعتبار سے روز ازل سے ہی جانتا ہے۔ اور شرعی اعتبار سے روز ازل اس وقت کو کہتے ہیں جس کی کوئی ابتدا ہی نہ ہو۔ وہ روز ازل سے ہی جانتا تھا کہ فلاں شخص فلاں وقت اس قسم کا کام کرے گا اور فلاں وقت پر یہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر ایک مچھر ساتویں آسمان پر یا زیر زمین اپنے پر کو ہلائے یا کوئی شخص کوئی بھی خیال دل میں لائے وہ بھی اس کو معلوم ہے۔

برُ و علم یک زرہ پوشیدہ نیست
پیدا و نہاں بنزدش یکے است

(ترجمہ) اس ذات پاک پر کسی ایک ذرے تک کا علم پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کا پیدا ہونا یا پوشیدہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہے۔ کیونکہ سارے عالم کا پیدا کرنا پھر اس کو باقی رکھنا اور باقی رکھنے کے ساتھ ساتھ تربیت کرنا اور ہر شخص کی ضرورت کے مطابق اس کی حاجت روائی کرنا علم کامل کے بغیر ناممکن ہے۔ علیم ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ سمیع بھی ہے۔ یعنی اس کو سننے کا وصف بھی حاصل ہے اپنی اس خاص صفت کی وجہ سے وہ ہر چیز کی آواز اور ہر کسی کی پکار سن لیتا ہے۔ اگر ساتویں زمین کے کسی حصہ پر کوئی چیونٹی چلے تو اس کے چلنے کی آواز بھی وہ بغیر کسی سہارے کے بذات خود سنتا ہے یا اسی طرح اگر کوئی مچھر ساتویں آسمان پر یا کوئی مچھر سے کمزور تر جانور بھی اپنے پر کی آواز نکالے یا اگر کوئی شخص آہستہ یا پکار کر کچھ کہے تو وہ سب سنتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ ان اللہ سمیع علیم ترجمہ یعنی اللہ تعالیٰ سننے والا اور خبردار ہے۔ سمیع ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بصیر بھی ہے۔

(سوال) خدا کے صاحب بصیر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

(جواب) خدا کے صاحب بصیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ایک ایسی زبردست قوت حاصل ہے جس سے وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ چاہے وہ چیز اندھیرے میں ہو یا اجالے میں، نزدیک وہ یا دور ہو، رات میں ہو یا دن میں، چھوٹی سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی ہو۔ سب چیزوں کو بغیر کسی فرق وتمیز کے یکسان دیکھتا ہے کسی بھی وقت کوئی بھی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہوتی ہے۔ اگر اللہ میں یہ صفت نہ ہو تو وہ اندھا کہلائے گا اور اندھا ہونا پورے عالم کے پیدا کرنے والے کے لیے عیب اور سخت نقص ہے۔ لہٰذا قرآن مجید میں یہ صفت بصارت اس کامل قدرت والے خدا کے لیے اکثر آیات میں ثابت ہے۔ ان آیات میں سے ایک آیت یہ ہے کہ **انہٗ بکل شیٔ بصیر** (ترجمہ) یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے کوئی چیز اسکی نظر سے غائب نہیں۔

(سوال) اللہ کے سمیع وبصیر ہونے میں فرقہ معتزلہ اور اہل سنت کے درمیان کیا اختلاف ہے؟

(جواب) معتزلہ جو ہمارے نزدیک ایک گمراہ فرقہ ہے ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے سمیع وبصیر ہونے سے مراد اس کا صاحب علم ہونا مراد ہے۔ پس ان کے نزدیک ان اللہ سمیع بصیر کے یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ خبردار ہے کیونکہ سننا اور دیکھنا بدن کے اعضاء کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اللہ

تعالیٰ اعضاء اور جسم سے پاک ہے۔

(سوال) سنی مسلمانوں کی طرف سے اس کا کیا جواب دیا جاتا ہے؟

(جواب) ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کی تمام صفات مخلوقات کی ذات اور صفات سے بالکل جدا ہے اسی طرح اس کے سننے کی صفت اور دیکھنے کی صفت بھی مخلوق کے سننے کی صفت اور دیکھنے کی صفت سے بالکل غیر (الگ) ہے۔ البتہ مخلوقات کو سننے اور دیکھنے میں اعضاء کی ضرورت اور حاجت ہے اور اس خالق یعنی پیدا کرنے والی ذات کو کانوں اور آنکھوں کی محتاجی نہیں ہے۔ سنی مسلمان اللہ کی ذات کے لیے ایسی سمع وبصر یعنی سننے اور دیکھنے کی ایسی کوئی شکل ثابت نہیں کرتے، جو بندوں کے کانوں اور آنکھوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو۔ لہٰذا قرآن کی واضح آیات کو خواہ مخواہ کا طول دے کر معتزلی کی طرح ایسی دور دراز تاویلات کرنا ناجائز ہے۔

(سوال) اللہ کے متکلم ہونے سے کیا مراد ہے؟

(جواب) اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو کلام کرنے کی صفت حاصل ہے، جس سے وہ کلام کر سکتا ہے۔ پس وہ کسی سے بھی جس طرح بھی چاہتا ہے کلام کرتا ہے، جس چیز سے چاہتا ہے منع کرتا ہے اور جس چیز کا چاہتا ہے حکم کر دیتا ہے اور جس چیز کی چاہتا ہے خبر دیتا ہے۔ پورے عالم کو پیدا کرنے والے کا گونگا ہونا اور ایسے باختیار کردگار کا پورے عالم کا انتظام چلانے کے لیے اس صفت سے محروم ہونا ایک تو نظام عالم میں خلل کا باعث بن سکتا ہے اور دوسرا اُس کے حق میں بھی بہت بڑا عیب ہے۔ لہٰذا قرآن مجید میں اللہ نے اپنے واسطے اس صفت کلام کو اکثر ثابت کیا ہے۔ ان آیتوں میں سے ایک آیت یہ ہے کہ **وکلم اللہ موسیٰ تکلیما** (ترجمہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام کیا۔ پس اللہ کا کلام کرنا سب اہل اسلام کے نزدیک ایک تسلیم شدہ حقیقت اور ایسا امر ہے، جس پر سب متفق ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت میں کہ یہ کلام کیونکر ہے اور کس طرح ہے اس میں کچھ اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف میں نو طرح کے اقوال ہیں۔ ان سب کو ملا علی قاریؒ نے ایک کتاب فقہ اکبر کی شرح میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اہل حق کے نزدیک جو کلام کہ خدا کی صفت ہے وہ حروف اور آواز سے مرکب نہیں بلکہ وہ ایک صفت ہے، جو اس کی

ذات پاک سے قائم ہے۔اور اس کو ''کلام نفسی'' کہتے ہیں کیونکہ کلام اصل میں مضمون اور معانی ہی کو کہتے ہیں چنانچہ اخطل شاعر کہتا ہے

ان الکلام لفی الفؤاد وانما

جعل اللسان علیٰ فؤاد دلیلا

(ترجمہ) کلام دل میں ہوتا ہے اور زبان اس دل کے مضمون پر دلالت کرتی ہے۔لہٰذا مجازی طور سے الفاظ اور اصوات (آوازیں) جو بنتی ہیں اس کو بھی کلام کہتے ہیں۔ہم لوگ اس مضمون کو کبھی زبان سے ظاہر کرتے ہیں اور کبھی لکھ کر بتا دیتے ہیں، کبھی اشاروں سے ظاہر کر دیتے ہیں۔اسی لیے اللہ جو کسی کام میں بھی دوسرے کا محتاج نہیں بغیر زبان کے کلام کرتا ہے، پھر جب زبان سے اس کا کلام نہیں تو الفاظ اور آوازیں بھی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کی جس طرح دیگر صفات ازلی ہیں اسی طرح سے صفت کلام بھی ازلی اور قدیم ہے۔پس اگر اس کلام کو الفاظ اور حروف سے مرکب مانا جائے تو وہ قدیم نہ رہے اس لیے کہ شریعت کی اصطلاح میں جو چیز قدیم ہوتی ہے وہ کسی کے پیچھے نہیں ہوتی ہے۔اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ''کلام لفظی'' میں تقدیم و تاخیر ہوا کرتی ہے۔مثلاً لفظ زید میں جب تک ''ز'' نہ ادا کر لیں گے ''ے'' ادا نہ ہوگی۔لہٰذا ایسا کلام جو حروف اور آوازوں سے مرکب ہوتا ہے اس کی صفت نہیں۔

(سوال) اگر کلام نفسی اس کی صفت ہے تو قرآن مجید کی عبارت عربیہ کو کیسے کلام الٰہی کہہ سکتے ہیں جبکہ دوسری طرف سے جمہور اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جو قرآن مجید کی عبارت کو کلام الٰہی نہ کہے وہ قطعی کافر ہے۔اور قرآن مجید میں بھی کئی مقام پر کفار سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے کلام کی مانند ایسا ہی کلام بنا لاؤ۔

(جواب) کلام خدا کے دو معنیٰ ہیں ایک ''کلام نفسی'' جو قدیم ہے یہ صفت اللہ تعالیٰ کو ازل (time without begining) سے ابد (time without end) تک حاصل ہے۔اپنی اس لاثانی صفت کی وجہ سے جس سے چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے جیسا کہ ہم کو صفت کلام حاصل ہے اور یہ صفت ہر وقت ہمارے ساتھ ہے گو کہ ہم کسی سے کلام نہ کریں۔یہ صفت کلام اللہ کو ازل سے حاصل ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور یہ کلام

الٰہی اسی سبب سے ہے کہ یہ اس کی صفت ہے۔اب رہے دوسرے قرآنی الفاظ اور قرآنی عبارت ان کو کلام الٰہی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ سوائے خدا کے کسی اور کی تالیف اور تصنیف نہیں بلکہ اس کلام کو خاص اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اس معنیٰ کے لحاظ سے الفاظ اور عبارت قرآن مجید میں کلام الٰہی ہے۔بے شک اس کو کلام الٰہی نہ کہنے والا نہ ماننے والا کافر ہے اور ان سے معارضہ (جھگڑا) بھی درست ہے۔پس قرآن مجید اور پہلی کتابیں جو انبیاءؑ پر نازل ہوئیں سب کلام الٰہی ہیں۔

(سوال) کیا مذکورہ بالا چند سوال و جواب کے علاوہ بھی اس مسئلہ میں علماء نے کچھ کلام کیا ہے؟

(جواب) جی ہاں۔زیادہ تحقیق اس مسئلہ کی بڑی کتابوں میں ہے جس کو خواہش ہو وہاں دیکھ لے اس مختصر رسالے میں اتنی بڑی تحقیقات کو پیش کرنے کی گنجائش نہیں لہٰذا اسی قدر قلیل پر اکتفا کیا گیا۔

(سوال) صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ میں کیا فرق ہے؟

(جواب) صفات ذاتیہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے جس قدر دوسرے صفات ہیں مثلاً مارنا، زندہ کرنا، روزی دینا، تندرست و بیمار کرنا، عزت و ذلت دینا وغیرہ ان سب صفات کو صفات فعلیہ کہتے ہیں۔صفات ذاتیہ اور فعلیہ میں فرق یہ ہے کہ جس خاص صفت سے وہ موصوف ہو اس کی ضد سے موصوف نہ ہو سکے تو اس قسم کے صفات ذاتیہ ہیں مثلاً علم کہ یہ اللہ کی ایک ذاتی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ اس صفتِ خاص سے موصوف ہے۔اب اس علم کی ضد جہل ہے وہ اس سے موصوف نہیں ہو سکتا۔کیونکہ اس کو کسی حال میں جاہل نہیں کہہ سکتے اور جو صفات ایسی ہیں کہ ان سے اور ان کی ضد سے دونوں سے موصوف ہو سکے وہ فعلیہ ہیں۔جیسے مارنا، زندہ کرنا، رزق دینا۔اس کو زید کو مارنے والا اور عمر کا نہ مارنے والا اس کی حیات میں کہہ سکتے ہیں۔اس قسم کی سب صفات فعلیہ صفت تکوین میں داخل ہیں۔ان تمام امور کو انجام دینے کا مجمل نام (brief name) امر تکوین ہے۔اور مذکورہ باتیں اس کی تفصیل۔اگر خدا کو یہ صفت حاصل نہ ہو تو وہ صانع عالم (The Author of Universe/Creator) نہ ہو سکے۔اور بیکار ہو جائے۔اپنی اس صفت فعلیہ کے متعلق خود فرماتا ہے کہ ''**و قال انما امرہٗ اذا اراد شیئاً ان**

یقول لہٗ کن فیکون ہ یعنی اس کے کن کہتے ہی ہر چیز کو جس کا ارادہ کرتا ہے ہو جاتی ہے۔ کچھ دیر اور ڈھیل نہیں۔ کسی سامان اور اسباب اور معین و مددگار کی حاجت نہیں۔

(سوال) کیا اللہ کی صفت تکوین بھی اس کی صفات ذاتیہ کی طرح ازلی ہیں؟

(جواب) جی ہاں۔ اللہ کی صفت تکوین بھی اس کی دیگر صفاتِ ذاتیہ کی طرح ازلی ہے لیکن عالم کو اور ہر چیز کو اس کے وقت پر پیدا کیا ہے مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی سب صفات خواہ وہ ذاتیہ ہوں یا فعلیہ سب ازلی ہیں یعنی ازل سے خدا تعالیٰ ان صفات سے موصوف ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے خدائے تعالیٰ میں یہ صفات نہ تھیں پھر حاصل ہو گئیں بلکہ جب سے وہ ہے تب ہی سے اس کے یہ صفات بھی ہیں۔ کیونکہ اگر ازل میں اس کے یہ مذکورہ صفات نہ ہوں تو لازم آوے گا کہ وہ ازل میں ان صفات سے خالی تھا، تو پھر کے سبب سے یہ صفات اس کو حاصل ہوئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت محال (ناممکن) اور نقصان ہے۔ پس ازل میں جبکہ زمین و آسمان کچھ نہ تھے اس کو حیات بھی تھی اور ارادہ اور قدرت اور علم اور سماعت اور بصارت اور کلام بھی تھا۔ اس طرح صفت تکوین سے بھی موصوف تھا۔

سوال:۔ اگر اللہ تعالیٰ ازلی صفت سے تکوین کا مالک ہے تو مخلوقات کے بغیر اس کی یہ صفت ازلی کیسے مانی جا سکتی ہے، جب کہ کسی مخلوق کو ازلی نہیں کہہ سکتے مثلاً صفت تکوین کی ایک قسم روزی دینا ہے پس جب تک کوئی شخص کہ جس کو رزق دیا ازل میں نہ پایا جائے گا رزق دینا بھی ازل میں ثابت نہ ہوگا اسی طرح اس عالم کا اور اس کی ہر ہر چیز کا موجود کرنا بھی اس کی صفت ہے حالانکہ عالم ازلی نہیں نہ اس کی کوئی چیز ازلی ہے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کی جو صفات فعلیہ ہیں وہ غیر پر موقوف ہیں کہ جب تک کوئی غیر نہ ہوگا یہ صفت ظاہر نہ ہوگی اور خود صفت کسی چیز پر موقوف نہیں مثلاً ایک شخص کو لکھنا خوب آتا ہے اور یہ وصف اس کو ابتداء سے حاصل ہے سو یہ وصف جب ظاہر ہوگا جب وہ کچھ لکھے گا لیکن لکھنے کی بنیادی وصف لکھنے پر موقوف نہیں اگر کوئی شخص تمام عمر نہ لکھے جب بھی اس کو وہ وصف حاصل رہے گا۔ پس اگر کوئی چیز بھی ازل میں موجود نہ تھی اور کسی مخلوق کی وہاں کوئی ہستی نہیں تھی، لیکن اس کو وہ صفت تکوین ازل میں حاصل تھی، تو نہ یہ لازم آیا یہ صفت فعلیہ ازلی نہ ہو اور نہ یہ کہ

مکونات (مخلوقات) ازلی ہو جائیں بلکہ ہر مکون (مخلوق) کی اُس کے وقت پر تکوین کی آسمان و زمین کو بھی ایک خاص وقت میں بنایا۔

سوال:۔ کیا اللہ تعالیٰ کی صفات میں تفاوت آ سکتی ہے یعنی کیا ان میں کمی زیادتی یا فرق واقع ہو سکتی ہے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ازلی ہونا ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ اس کی صفات کا ابدی ہونا اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو قدیم اور ازلی ہو وہ کبھی فنا نہیں ہوتا۔ پس اس کی صفات بھی کبھی فنا نہیں ہونگی لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کی صفات ابدی ہیں اور ابدی وہ ہوتا ہے کہ جو کبھی فنا نہ ہو اور ہمیشہ رہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس کی صفات کبھی اس سے دور ہو جائیں تو لازم آئے گا کہ اس وقت وہ ان صفات سے خالی ہو اور یہ بات واجب الوجود اللہ تعالیٰ self existent Authority یعنی اللہ کے لیے ناممکن ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھو الاول والآخر یعنی وہ اول حقیقی یعنی ازلی ہے اور آخر حقیقی یعنی ابدی ہے۔ پس جب وہ ابدی اور ازلی ہوا تو اس کی صفات بھی ابدی و ازلی ہیں کیوں کہ اس کا بے صفات کے کسی وقت پایا جانا محال (ناممکن) ہے۔ پس تفاوت اور تغیر بھی اس کی صفات میں ناممکن ہے۔ کیوں کہ تغیر یا تو یوں ہوگا کہ اس کی کوئی صفت بالکل جاتی رہے سو یہ محال ہے منافی ابدیت کے یا کوئی صفت کم یا زیادہ ہو جائے سو یہ بھی ناممکن ہے کیوں کہ زیادہ ہونا دلالت کرتا ہے کہ پہلے یہ صفت ناقص تھی اور نقصان اس کے منافی وجوب ہے اور کسی صفت کا کم ہونا تو صریح البطلان ہے پس اس کی حیات اور علم اور قدرت و ارادہ و سمع و بصر و تکوین ازل سے ابد تک یکسان ہیں۔ کبھی ان میں کمی یا زیادتی نہیں ہوئی اور نہ ہوگی ہاں ممکنات یعنی مخلوقات میں تغیر ہوتا ہے وہ اس طرح کہ زید جو پہلے کافر تھا پھر مومن ہو گیا یا کھڑا تھا پھر بیٹھ گیا۔ یہ زید میں تغیر ہوا۔ علم الٰہی میں کچھ بھی تغیر نہیں آیا اسی طرح اس کی صفت تکوین بھی ازل سے ابد تک یکسان ہے پس جب اس نے زید کو پیدا کیا عمرو کو بیمار کر دیا تو اس کے پیدا کرنے کی اور بیمار کرنے کی صفت ہمیشہ سے ہے اور کچھ تفاوت بھی اس میں نہیں، لیکن اس کے تعلقات حادث ہیں۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ سب عالم کا خالق اور صانع ہے پس جس طرح اس کی ذات کسی کے ساتھ مشابہ

اور کسی کے مانند نہیں ہے جیسا کہ قرآن میں ہے **لیس کمثلہ شیی** یعنی کوئی اس کی مثل نہیں ، بلکہ سب سے الگ ہے اسی طرح اس کے اوصاف بھی کسی کے اوصاف کے ساتھ مشابہ اور مانند اور متحد الحقیقت نہیں ۔ پس اس کی زندگی ہماری زندگی کی طرح نہیں اور اس کی قدرت اور اس کا ارادہ اور علم بھی ہماری قدرت اور علم سے مشابہ نہیں اور اس کا سننا اور دیکھنا اور کلام کرنا بھی ہمارے سننے اور دیکھنے اور کلام کرنے سے غیر یعنی مختلف ہے ۔ ہم کان سے سنتے ہیں اور آنکھ سے دیکھتے ہیں اور زبان سے بولتے ہیں اور وہ قدرت والا جس نے ہمارے گوشت کے ٹکڑے میں جس کو کان کہتے ہیں ایک قوت سماع (سننے کی طاقت) رکھ دی ہے اور دوسری جگہ قوت بصر (دیکھنے کی طاقت) اور تیسری جگہ قوت نطق (بولنے کی طاقت) رکھدی ہے وہ بذات خود بغیر کان کے سنتا ہے اور بغیر آنکھ کے دیکھتا ہے اور بغیر زبان کے بولتا ہے اور یہ امور انجام دینے میں ان اعضاء کا محتاج نہیں ، پس اس کے اوصاف اور ہمارے اوصاف میں اگرچہ الفاظ میں شرکت ہے ، لیکن دونوں کی حقیقت جدا ہے ، سننا ہمارے لیے بھی ثابت ہے اس کے لیے بھی ، لیکن اس کا سننا ہمارے سننے سے بالکل الگ ہے فقط سننے کے نام میں دونوں کے لیے یکسان لفظ استعمال کیا جاتا ہے ۔

سوال :۔ اللہ کا بے نیاز اور منزہ ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب :۔ اللہ اپنی ذات اور صفات میں اور کچھ بھی کرنے میں کسی کا محتاج نہیں ، کیونکہ اس کی ذات اور صفات کے علاوہ جو کچھ بھی ہے سب عالَم میں داخل ہے اور سارا عالَم اس کا محتاج اور بنایا ہوا ہے ، پھر اگر کسی چیز کے بناؤ و بگاڑ میں اس کو کسی کی طرف بطور حاجت کے ہاتھ بڑھانا پڑے تو اس سے یہی ثابت ہو جائے گا کہ وہ اپنے محتاج کا محتاج ہے اور یہ ناممکن ہے ، کیونکہ اللہ فرماتا ہے **یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید** (ترجمہ) یعنی تم سب لوگ اللہ کے محتاج ہو اور وہ ہر چیز سے بے پروا یعنی اپنی ذات اور صفات میں غیر محتاج اور سراہا گیا ہے ۔

سوال :۔ اللہ کے عرض و جسم نہ ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب :۔ جو چیز دوسری چیز کے سبب سے قائم ہو وہ علم کلام میں عرض کہلاتی ہے ۔ اور جو بذات

خود قائم ہو اس کو جوہر کہتے ہیں مثلاً رنگ اور کپڑے کی مثال لیتے ہیں رنگ عرض ہے کپڑا جوہر یہ بات تو سمجھنے کے لیے بطور مثال پیش کی گئی ۔ کوئی رنگ اپنی چمک دمک دکھانے کے لیے کپڑے کا محتاج ہے ، پس اگر اللہ کو بھی عرض تسلیم کیا جائے تو اسکی غیر کی طرف حاجت ثابت ہو جائے گی اور یہ ناممکن ہے اسی طرح جسم اس شئے کو کہتے ہیں ، جس میں لمبائی و چوڑائی وغیرہ پائی جائے جیسے درخت ، پتھر آدمی وغیرہ اور یہ بات ثابت ہے کہ ہر جسم میں اجزاء ہوتے ہیں اور کوئی جسم بغیر اجزاء کے نہیں ہوتا ہے خواہ وہ کسی چیز کا مادہ ہو ، جس کو لغت میں ہیولیٰ کہتے ہیں خواہ وہ اجزاء لا یتجزیٰ یعنی **indivisible particle** ہو یا دوسرے اعضاء مثلاً آب ، آتش ، ہوا ، خاک ہوں ۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بدن ثابت کیا جائے تو اس اس کو بھی اپنے اجزاء کی طرف حاجت ہو جائے اور اجزاء کا محتاج کہلایا جائے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو چیز مختلف اجزاء سے تیار کی جاتی ہے تو وہ چیز ضرور کسی مرکب کے ترکیب دینے سے ہوئی ہے کیونکہ آپ سے آپ اجزاء جمع نہیں ہو سکتے ، پس اگر خدا کے لیے بدن ہو کسی اور شخص یعنی ترکیب دینے والے کی طرف حاجت ہو جائے ۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہر مرکب حادث ہوتا ہے ۔ اور اسی حقیقت کی بے خبری کی وجہ سے نصاریٰ یعنی انگریزوں کے ہاں خدا کے تین جز ہیں (۱) اب (۲) ابن (۲) روح القدس اور ہنود یعنی ہندوؤں کے ہاں بشن ، مہارت برہما خُدا کے تین جُز ہیں ۔ یہود خدا کے لیے بدن ثابت کرتے ہیں ۔ اس کے برعکس مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا ان تمام امور سے منزہ اور پاک ہے ۔

(سوال) کیا خدا کے لیے کوئی رنگ و بو ہے؟

(جواب) بالکل نہیں ! ہم ثابت کر چکے ہیں کہ خدا کسی جسم کا محتاج نہیں ۔ اور رنگ و بو خاص جسم میں پیدا ہوا کرتی ہے اور بغیر بدن کے رنگ اور بو نہیں پائی جاتی ۔ جب اللہ تعالیٰ کے بدن نہیں تو رنگ و بو بھی نہیں نہ وہ سیاہ ہے نہ سفید ہے ، نہ زرد ہے نہ نیلا ہے ۔ نہ اس میں خوشبو ہے نہ بدبو ، نہ لمبا ہے نہ پست قد ، نہ دبلا ہے نہ موٹا ، نہ گرم ہے نہ سرد ، نہ سخت ہے نہ نرم ۔

(سوال) کیا اللہ کسی مکان کا محتاج ہے؟

(جواب) اللہ کو کسی مکان کی حاجت نہیں کیونکہ مکان جسم دار چیز کے لیے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ

جسم سے پاک ہے پس نہ وہ آسمانوں میں رہتا ہے نہ زمین میں، نہ مشرق میں ہے نہ مغرب میں بلکہ تمام عالم اس کے آگے ایک ذرے کے برابر ہے اور وہ اس میں کیسے سمائے لیکن ہر جگہ اس کا ظہور ہے۔ کوئی جگہ اس سے غائب نہیں ہے۔

(سوال) قرآن مجید کی بعض آیات اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہے جیسے **الرحمٰن علی العرش استویٰ** یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوا اور مشکوٰۃ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا **ینزل تبارک و تعالیٰ کل لیلۃ الیٰ سماءٍ دنیا** (الحدیث) یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ہر شب آسمان دنیا پر اترتا ہے۔ سے کیا مراد ہے؟

(جواب) یہ آیت اور یہ حدیث اسی طرح وہ آیات وحادیث کہ جن میں اللہ کے منہ اور ہاتھ اور پاؤں اور انگلیاں اور پنڈلیاں اور آنکھ اور نفس وغیرہا ثابت ہے ان کو متشابہات کہتے ہیں اور متشابہات قرآن مجید کی وہ آیتیں ہیں جن کے معنی مخفی اور پوشیدہ ہیں پھر بھی ان جیسے آیات کی تشریح میں کچھ فرقے وجود میں آئے جنہوں نے اپنی نارسا سوچ کے مطابق کچھ تاویلات کی ہیں۔ ان فرقوں میں ایک ''فرقہ قدریہ'' ہے۔ یہ فرقہ ان الفاظ کے ظاہری معنیٰ چھوڑ کر تاویلات کرتا ہے مثلاً ''ید'' سے قبضہ اور ''وجہ'' سے اس کی ذات مراد لیتا ہے اور یہ آیت پیش کرتے ہیں **لیس کمثلہٖ شیٌٔ** کہ اگر اس کے لیے ہاتھ اور منہ وغیرہ چیزیں ثابت ہوں تو ممکنات کے مشابہ ہو جائے۔ دوسرا ''فرقہ مشبہ'' ہے اس کو مجسمہ بھی کہتے ہیں۔ ان کا یہ قول ہے کہ ہاتھ منہ وغیرہ اعضاء اعضاء جو آیت واحادیث میں آئے ہیں اور وہ عرش پر ایسا ہی بیٹھا ہے کہ جس طرح کوئی بادشاہ دنیا میں اپنے تخت پر بیٹھتا ہے۔ ثبوت میں وہ یہی آیات واحادیث پیش کرتے ہیں جن میں ان امور کا ذکر ہے مگر وہ پہلی آیت ان کے قول کو بالکل رد کرتی ہے۔

(سوال) ایسے اختلافی امور میں اہل حق کا خطاب پانے میں کون سا فرقہ حقدار ہے؟

(جواب) اس فرقہ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں جس میں تمام صحابہ اور اہل بیت داخل ہیں وہ ان دونوں فریق کی افراط وتفریط (کمی بیشی) کو ناپسند کرتے ہیں کیوں کہ یہ دونوں فریق ایک آیت کا انکار اور ایک کا اقرار کرتے ہیں۔ مثلاً قدریہ فرقہ کے لوگوں کو آیات متشابہات کا انکار لازم آتا ہے اور مجسمہ کو آیات تنزیہہ کا **لیس کمثلہٖ شی** کا انکار لازم آتا ہے۔ مذہب اہل حق کا

یہ ہے کہ یہ صفات خدا کے لیے ثابت ہیں مگر ہم ان کی کیفیت نہیں جانتے ہیں چنانچہ فقہ اکبر میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں **فما ذکر اللہ فی القرآن من ذکر الوجہ والید و النفس والعین فھو لہٗ صفات ولا یقال ان یدہ قدرۃ او نعمۃ لان فیہ ابطال الصفۃ وھو قول اھل القدر والاعتزال و لکن یدہ صفۃ بلا کیف انتھیٰ** ۔ ترجمہ قرآن میں جو اللہ تعالیٰ نے وجہ اور ید اور نفس اور عین ذکر کیا ہے سو یہ سب اس کی صفات ہیں اور معتزلہ اور قدریہ کی طرح یوں نہ کہنا چاہیے کہ ہاتھ سے مراد اس کی قدرت اور نعمت ہے کیونکہ اس سے اللہ کی صفات باطل کرنا ثابت ہوتا ہے پس ید سے مراد اس کی صفت ہے کہ ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے۔ امام مالکؒ سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ اور جمہور محدثین کا بھی یہی مذہب ہے۔

(سوال) کیا اللہ کی کوئی شکل وصورت ہے؟

(جواب) اللہ کی شکل وصورت نہیں کیونکہ صورت وشکل جسمانی چیز کے لیے ہوتی ہے اور وہ جسم سے پاک ہے پھر نہ وہ آدمی کی صورت پر ہے نہ جن کی نہ حجر کی نہ کسی اور شے کی، پس جو بعض کوتاہ علم کہتے ہیں پیر کی شکل میں ہے بلکہ پیر ہی خدا ہو جاتا ہے یا رسول ﷺ کی صورت میں خدا تھا گمراہی ہے۔

(سوال) کیا اللہ پر زمانہ گزرتا ہے۔

جواب:۔ نہیں! کیونکہ زمانہ حادث چیزوں کے لیے ہوتا ہے اور حادث پیدا کی گئی چیزوں کو کہتے ہیں۔ جب ہم دو اشخاص کی عمروں کا مقابلہ کرتے ہیں تو اس طرح کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی عمر پچاس برس کی ہے۔ اور دوسرے کی ساٹھ برس یہی بات ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص پر پچاس برس گزر گئے اور دوسرے شخص پر ساٹھ برس گزر گئے لیکن اس طرح سے اللہ کی ذات کے بارے میں نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ پر اتنا زمانہ گزر گیا یعنی یوں نہ کہیں گے کہ سو برس کا ہے یا ہزار برس کی عمر رکھتا ہے یا لاکھ کی۔ اللہ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا لہٰذا اس پر زمانہ نہیں گزرتا۔

(سوال) ''اللہ نہ بوڑھا ہے نہ جوان'' کا کیا مطلب ہے؟

(جواب) بوڑھا یا جوان ہونا جسمانی اور زمانی چیزوں کے لیے مخصوص ہے لیکن اس کی عالی

ذات نہ زمانی ہے نہ جسمانی۔ لہٰذا اللہ نہ بوڑھا ہے نہ جوان۔

سوال:۔ کیا اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ کچھ کھاتا پیتا ہے؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کھانے پینے و پاخانے اور صحت و مرض و خوشی و رنج وغیرہ سے پاک ہے، کیوں کہ یہ سب چیزیں حادث اور زمانی چیزوں میں پائی جاتی ہیں۔

سوال:۔ حادث اور زمانی چیزوں سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ حادث کسی نئی چیز کو کہتے ہیں جو پہلے نہ ہو اور زمانی زمانہ یا ایسی چیز کو کہتے ہیں جو ابھی پیدا ہوئی ہو، چونکہ اللہ ان چیزوں سے پاک ہے لہٰذا اللہ کی ذات کے متعلق ان چیزوں کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح وہ نیند اور اونگھ اور سب چیزوں سے جو حادث اور زمانی ہیں پاک اور دور ہے۔

سوال:۔ جوہر سے کیا مراد ہے۔ کیا اللہ کو جوہر کہہ سکتے ہیں؟

جواب:۔ متکلمین کے نزدیک جوہر جسم کے نہایت چھوٹے ٹکڑے کو جس کا پھر کوئی اور جُز نہ نکلے‘‘ کہتے ہیں اسی طرح جوہر فرد بھی اس کو کہتے ہیں۔

سوال:۔ حکماء کے نزدیک جوہر کی کیا تعریف ہے؟

جواب:۔ حکماء کے نزدیک جوہر کی تعریف یہ ہے کہ ایک ایسی شئے کہ جو خارج میں کسی دوسری چیز میں ہو کر نہ پائی جائے۔

سوال:۔ متکلمین اور حکماء میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ متکلمین صاحبانِ علم کلام کو کہتے ہیں اور علم کلام وہ علم ہے، جس میں نقلی علوم کو عقلی دلیلوں سے ثابت کیا جاتا ہے اور حکماء دانا لوگوں کو کہتے ہیں، جن کی نظر سب علوم پر ہو۔

سوال:۔ کیا ہم اللہ کو جوہر کہہ سکتے ہیں؟

جواب:۔ متکلمین کی تعریف کے مطابق جوہر کسی جسم کا جز ہوتا ہے سو اللہ تعالیٰ کسی چیز کا جز نہیں ہے اور حکماء جس چیز کو جوہر کہتے ہیں وہ بھی ممکنات میں داخل ہے اور ممکنات ایسی چیزوں کو کہتے ہیں جو پیدا کی گئیں اور پیدا ہونے میں دوسروں کی محتاج ہوں۔ سو اللہ چونکہ ممکن نہیں، بلکہ واجب ہے لہٰذا اللہ کو جوہر نہ کہنا چاہئے اور واجب الوجود ایسی ذات کو کہتے ہیں جو اپنی ذات کے

اعتبار سے قائم ہو اور قائم رہنے میں کسی دوسرے کی محتاج نہ ہو۔

سوال:۔ کیا اللہ کو کسی کا ہم جنس اور مشابہ کہا جاسکتا ہے یا ہم یوں کہہ سکتے کہ وہ کسی کے ساتھ متحد ہے؟

جواب:۔ اگر کسی کو اللہ کا ہم جنس تسلیم کیا جائے یا اس کی مانند مانا جائے ذات میں یا صفات میں تو پھر توحید نہ رہے گی حالانکہ توحید عقلی و نقلی دلائل سے ثابت ہے۔ نہ کسی کا علم اس کے برابر ہے کیوں کہ اس کا علم حضوری ہے کہ تمام عالم اس کے نزدیک حاضر ہے۔ سب کو ہر وقت یکساں جانتا ہے۔ مخلوق میں سے یہ بات کسی کو حاصل نہیں۔ اسکی قدرت، اسکا ارادہ، اسکی حیات وغیرہ سب بے مثل (unique) ہیں۔ اگر مخلوق میں حیات یا قدرت یا ارادہ ہے تو وہ اللہ کی طرف سے (عطائی) ہے۔ بذات خود کسی میں قدرت، حیات، ارادہ نہیں ہے۔ اور متحد بھی اس کے ساتھ کوئی نہیں ہوسکتا کیوں کہ اگر کوئی ہوگا تو مخلوق میں سے ہوگا اور مخلوق اور خالق کا ایک ہونا واضح طور سے غلط قرار دینے کا مستحق ہے۔ پس کچھ لوگوں کا یہ خیال کہ انسان، پتھر اور درخت وغیرہ سب وہی ہے۔ صریح کفر ہے۔ بعض صوفیائے کرام جو وحدت الوجود کے قائل ہیں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ مخلوقات عین خالق ہے کیوں کہ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ہستی سے خلق موجود ہے۔ اور بذات خود کچھ نہیں۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جب آفتاب نکلتا ہے تو در و دیوار اور تمام صاف و شفاف چیزیں منور ہو جاتی ہیں۔ اور جب وہ غروب ہو جاتا ہے تو سب پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر کہہ سکتے ہیں کہ ان سب منور چیزوں میں ایک ہی نور چمکتا ہے یعنی یہ سب چیزیں آفتاب کے نور سے منور ہیں، لیکن منور الگ الگ ہیں۔ آفتاب اور ہے شفاف چیزیں آئینہ وغیرہ اور ہیں ان کو کوئی عاقل ایک نہ کہے گا۔ لہٰذا ظاہر میں جو چیزیں موجود ہیں مثلاً زمین، آسمان اور ان کے اندر کی چیزیں اُن کو وہ بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں کرتے۔ البتہ اس قسم کے خاص لوگوں کو غلبۂ محبت میں کوئی چیز موجود نہیں دکھائی دیتی بلکہ اس کے موجود اصلی کے اظلال (سائے) معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ وحدۃ الوجود سے مراد خالق و مخلوق کا ایک ہونا ہے یا ایسا عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کرے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ صاف کفر ہے خواہ کسی کا مذہب ہو یا کوئی بھی اس کا قائل ہو۔

سوال:۔ حلول کا کیا مطلب ہے؟ کیا اللہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے یا کوئی چیز اللہ میں حلول کر

سکتی ہے؟

(جواب) ایک چیز کا دوسری چیز میں سما جانا اور پیوست ہو جانا حلول کہلاتا ہے۔ جیسے کپڑے میں کالا یا سفید رنگ پیوست ہو جاتا ہے۔ ایسا حلول اللہ کی نسبت ناممکن ہے کیوں کہ اگر کوئی چیز اللہ میں حلول کرے تو اسے اللہ کی ذات ایسی ہی ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی مخلوق دوسرے شئے کو اپنے اندر جذب کرنے کے لیے مجبور سمجھی جائے اور ایسی مجبوری مخلوق کے لیے تو ممکن ہے لیکن اللہ جو خالق حقیقی ہے ایسی مجبوری اور کمزوری سے بے نیاز ہے پس اللہ تعالیٰ میں کوئی چیز اس طرح سے نہیں ہے جیسے کہ برتن میں پانی یا کپڑے پر رنگ ہونا یا گرم پانی سرد میں مل کر ایک ہو جاتا ہے۔ دونوں میں فرق نہیں رہتا ہے یا برف پانی میں گھل کر ایک ہو جاتا ہے۔ اللہ اس طرح سے کسی چیز میں نہیں مل سکتا ہے، پس جو کم عقل لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوئی بندہ کامل بن کر اس کی ذات میں اس طرح مل جاتا ہے جیسے برف پانی میں یا قطرہ دریا میں اور پھر یہ عقیدہ رکھے کہ اولیاء اللہ اور اللہ ایک ہی ہیں کیوں کہ وہ ان کی ذات میں حلول کرتا ہے اور ان کے اندر سما جاتا ہے سو یہ بالکل غلط اور صاف کفر ہے۔

سوال:۔ کیا اللہ کی ذات اور صفات کبھی فنا ہو سکتی ہے اور اس میں تغیر آ سکتا ہے؟ جواب:۔ اللہ فرماتا ہے **کل شی ھالک الا وجھہ** یعنی اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی اور ہلاک ہونے والی ہے پس اس کی ذات مع صفات ہمیشہ باقی رہے گی **و یبقیٰ وجھہ ربک ذوالجلال والاکرام یعنی اللہ جلال اور اکرام والا** ہمیشہ باقی رہے گا۔

سوال:۔ کیا اللہ کسی کی اولاد میں سے ہے یا اس کی کوئی اولاد ہے؟

جواب:۔ نہ وہ کسی کی اولاد سے ہے اور نہ کوئی اس کی اولاد سے ہے۔ اگر اللہ کی کوئی اولاد مانی جائے تو اسکی اولاد میں اس کی جنسیت پائی جائے گی اور وہ ضرور اس کی ہم جنس Homogeneous or A fellow creature ہوگی اور اگر اس کو کسی کی اولاد مانا جائے تو اس میں اور اس کے ماں باپ میں ضرور ہم جنسیت ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی چیز اللہ کی ہم جنس نہیں جیسا کہ اس کا بیان گزرا یعنی **لیس کمثلہ شیٌ** یعنی اس جیسا کوئی نہیں لہٰذا نہ کوئی اس کی اولاد ہے نہ وہ کسی کی ماں ہے نہ اس کی کوئی ماں ہے نہ باپ نہ کوئی بھائی برادر ہے۔ نہ کوئی

اس کا ہم قوم، نہ ہم کفو، نہ اس کے لیے بیٹا ہے، نہ بیٹی ہے اور نہ وہ نر ہے نہ مادہ ہے۔ اللہ خود فرماتا ہے کہ **قل ھو اللہ احد ،اللہ ھو صمد ،لم یلد ولم یولد ،ولم یکن لہ کفواً احد** ۔ترجمہ:۔ اے نبی کہہ دے اللہ ایک ہے، بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا نہ کسی نے اس کو جنا اور نہ کوئی اس کا ہم کفو ہے۔ نصارا جن کو ہم اکثر انگریز نام سے جانتے ہیں کس قدر دینی امور میں بے خبر ہیں کہ عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ یہاں پر اس بات کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ پرانے اہل کتاب اللہ کے لیے باپ کا یہ لفظ کبھی ادب اور محبت میں خدا تعالیٰ پر اور بیٹے کا اسی لحاظ سے حضرت عیسیٰؑ یا کسی دوسرے انسان پر بولتے تھے۔ رفتہ رفتہ غلو (تعریف کرنے میں حد سے گذرنا) ہوتا گیا اور پھر ان الفاظ کو حقیقی معنوں میں استعمال کرنے لگے۔

سوال:۔ کیا اللہ پر کوئی چیز واجب اور ضروری ہے؟

جواب:۔ اللہ پر کوئی چیز واجب اور ضروری نہیں، کیوں کہ اگر اس بات کو تسلیم کیا جائے تو اس سے اس کا اختیار باطل ہوتا ہے اور اس کا بے اختیار اور بے چارہ ہونا ثابت ہوتا ہے، جو اس کے لیے عیب ہے۔ ایک فرقہ جس کو معتزلہ کہتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ جو چیز بندے کے حق میں بہت درست اور مفید ہو اللہ کو اس کا کرنا ضرور ہے ورنہ بخل لازم آئے گا، لیکن اہل حق کے نزدیک یہ ان کی نافہمی اور ناسمجھی ہے کیوں کہ اللہ فرماتا ہے کہ **فلو شاء لھداکم اجمعین** (ترجمہ) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت کرتا۔ یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ ہدایت سب کے حق میں بہتر تھی، لیکن اس نے سب کو ہدایت نہ دی۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل سے بعض چیزوں کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے جیسے مومنوں کو جنت دینا اور اس میں بھی اس کو اختیار باقی رہتا ہے چاہے کرے چاہے نہ کرے۔ خلاصہ ساری بحث کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو محض اپنی ناقص انسانی سوچ کے تحت کسی بات کا پابند بنانا یا سمجھنا ایک غلطی ہے اور یہ اس کی خدائی میں ایک نقص ثابت کرنے کی ناکام کوشش ہے۔ البتہ یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے بعض چیزوں کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

سوال:۔ کیا کوئی چیز اس کے علم اور قدرت سے باہر ہے؟

جواب:۔ کوئی بھی چیز اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں ہے، کیوں کہ اس میں اس کے لیے

نقصان ثابت ہوتا ہے اور وہ ہر عیب اور نقصان سے پاک ہے لہٰذا وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کی اس کو خبر ہے۔

سوال:۔ کیا کوئی اس کے حکم کو پھیر سکتا ہے؟

جواب:۔ اس کے حکم کو کوئی نہیں پھیر سکتا ہے کیوں کہ اگر کوئی اس کے حکم کو ٹال دے تو اس کا عاجز ہونا ثابت ہو جاوئے، لہٰذا **لا مانع لحکمه** (کوئی چیز اس کے حکم میں مانع نہیں ہو سکتی ہے)

سوال:۔ سب عیبوں سے پاک ہونے کا کیا مطلب ہے اور سب کمال حاصل ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ یہ ناممکن ہے کہ اس باکمال ہستی میں کوئی عیب ہو اور وہ کسی کمال سے خالی ہو۔ قرآن مجید کی بہت سی آیتوں سے یہ ثابت ہے ان آیتوں میں سے ایک یہ ہے **لیس کمثله شیٔ** ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں دوسری آیت میں فرمایا **ھو الغنی** یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں کسی کا محتاج نہیں۔ پس اللہ کے لیے کوئی جسم ثابت کرنا یا اس کو عرض ماننا یعنی دوسرے کے سبب سے قائم رہنے والی ذات تصور کرنا یا اس کو جوہر ماننا (جو اگرچہ ناقابل تقسیم ہوتا ہے لیکن ایک جسم رکھنے والی چیز ہوتی ہے) یا مکانی ماننا یعنی اللہ کسی بڑے مکان یا جگہ میں سما سکتا ہے یا زمانی ماننا یعنی اس کو ابتداء یا انتہاء کا زمانے کے اعتبار سے یقین کرنا اور کھانا، پینا، سونا، پیشاب و پائخانہ اور اولاد پیدا کرنا غرض جو بھی چیز جسم اور جوہر سے تعلق رکھتی ہے اور اسی طرح سے وہ چیزیں جو پیدا کی گئی ہوں اور اپنے اندر دوسری مادی چیزوں کو جذب کر سکتی ہوں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی جاذبیت کو قبول کرنا مخلوق ہی کی صفت ہو سکتی ہے یہ اور اس قسم کی ساری باتیں، اس کی صمدیت اور غنیٰ کی مخالف ہیں۔ مثلاً حلول (کسی دوسری چیز میں داخل ہونا) اتحاد یعنی کسی دوسری چیز کی شراکت قبول کرنا، مشابہت یعنی اس جیسا ہونا، تغیر یعنی مادی اشیاء کی طرح کوئی تبدیلی قبول کرنا، حدوث و احتیاج، جہل و عجز، موت و ضعف وغیرہ ان سب کی نفی ان آیات سے صراحت اور دلالت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے **سبحان الله عما یصفون**۔

تصوف اسلامی

درس مثنوی

(حق پرستوں اور حق مخالف لوگوں کا الگ الگ انجام)

گذشتہ قصہ میں مولانا رومیؒ نے ایک مکار یہودی وزیر کی مکاری کا قصہ بیان کر کے ثابت کر دیا ہے کہ ایک حاسد اور کینہ پرور انسان کس طرح پہلے اپنے آپ کو اور پھر بندگانِ خدا کو مصائب میں مبتلا کرنے کی مذموم کوشش کرتا ہے اور ایسا کر کے خود بھی کس طرح اپنا حلیہ بھی بگاڑتا ہے اور دوسروں کے آزار کا سبب بھی بن جاتا ہے اس کے برعکس حق پرست اور انصاف پسند کس طرح اپنی راحت کا سبب بن جاتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی راحت کے دروازے کھولنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مولاناؒ نے عیسائیوں کی ایک حق پرست جماعت کا تذکرہ کیا ہے جو انجیل کا مطالعہ کرتے تھے، جس میں آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی ان کا مقدس نام درج تھا۔ چنانچہ انجیل میں حضور ﷺ کے مبارک حلیہ اور شکل کا تذکرہ بھی تھا۔ ان کے جہاد اور روزے اور کھانے کا ذکر تھا۔ عیسائیوں کی یہ جماعت عوسس جب حضور ﷺ کا نام مبارک پڑھتے تو اس متبرک نام کو بوسہ دیتے اور اس پاک تعریف کی جگہ پر اپنا منہ رکھ کر چوم لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حق پرست جماعت کو مکار یہودی وزیروں کی چالوں سے محفوظ رکھا، جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ حضور ﷺ کی مبارک نام کی پناہ میں پناہ گزین ہوتے تھے۔ اُن کی نسل کو بھی اللہ نے بڑھایا کیوں کہ حضور ﷺ کا نور اُن کا ساتھی اور مددگار بن گیا۔ اس کے برعکس جو گروہ حضور ﷺ کے نام کی بے حرمتی کرتا تھا وہ فتنوں کی وجہ سے ذلیل و خوار ہوا۔ وہ مذہبی آداب سے محروم ہوئے لہٰذا ان کا مذہب اور ان کا قانون تہہ و بالا ہو گیا۔ اس مختصر قصہ کے آخر پر مولانا نے دو اشعار میں حضور ﷺ کی تعریف کے ذیل میں ایک اہم بات بیان فرمائی ہے چنانچہ لکھا ہے ؎

نام احمد چوں چنیں یاری کند

تا کہ نورش چوں مددگاری کُند
نام احمدؐ چوں حصارے شد حصین
تا چہ باشد ذات آں روح الامین

(ترجمہ) احمد یعنی حضورﷺ کا نام مبارک جب اس طرح مدد کرتا ہے تو ان کا نور کس قدر مدد کرسکتا ہے۔احمد کا نام جب مضبوط قلعہ بنا، تو اس روح الامین کی ذات کس درجہ کی ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کی پھٹکار کا سبب جہاں اور باتیں بنی وہاں ان کی ذلت ومسکنت میں مبتلا ہونے کا ایک بڑا سبب حضورﷺ کی شان میں گستاخی اوران کی رسالت میں بے رُخی ہے ۔ان ہی واقعات کے ذیل میں مولانا نے لکھا ہے کہ اس یہودی کی نسل سے ایک دوسرا بادشاہ حضرت عیسیٰؑ کی قوم کی ہلاکت کی طرف متوجہ ہوا۔یہ دراصل سورۂ بروج کی آیت قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ کی طرف اشارہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک لڑکا ایک جادوگر کے پاس جادو سیکھنے کے لیے جاتا تھا۔اس کے راستہ میں ایک خدارسیدہ راہب کا گرجا گھر تھا۔یہ لڑکا اس راہب سے مانوس ہوگیا اوراس سے فیض حاصل کرنے لگا۔ایک روز یہ لڑکا جارہا تھا۔اس نے دیکھا کہ لوگ ڈرے ہوئے راستہ پر کھڑے ہیں۔آگے جانے کی ہمت نہیں کررہے ہیں ۔اس نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ایک خون خوار شیر نے راستہ روک رکھا ہے۔یہ لڑکا آگے بڑھا اوراس نے خدا کا نام لے کر ایک پتھر شیر کو مارا تو شیر ہلاک ہوگیا۔اس واقعہ سے اس لڑکے کی شہرت ہوئی اور لوگ اس کے گرد جمع ہونے لگے اور مومن بننے لگے۔ان واقعات کا بادشاہ کو علم ہوا تو وہ بہت برہم ہوا اس لیے کہ وہ خود خدائی کا مدعی تھا اوراس نے لڑکے کو ہلاک کرنے کا حکم دے دیا۔اس لڑکے کو پہاڑ سے پھینکا گیا، لیکن وہ ہلاک نہ ہوا، اس کو دریا میں غرق کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن وہ غرق نہ ہوا۔تب اس لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ اگر تو مجھے ہلاک ہی کرنا چاہتا ہے تو صرف ایک تدبیر ہے کہ تو بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ ھٰذَا الْغُلَامِ کہہ کر میری طرف تیر چلا تو میری موت واقع ہوجائے گی۔چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور لڑکا شہید ہوگیا۔اس وقت جو مجمع حاضر تھا وہ سب کا سب مومن ہوگیا۔بادشاہ نے ان کو ہلاک کرنے کے لیے خندقیں کھدوائیں اوران میں آگ جلائی اوران مومنوں کو آگ میں جلوایا۔اگرچہ اس بادشاہ نے ان

مومنوں کو آگ میں ڈال کر اپنی بُری خواہش پوری کی، لیکن وہ اس راز سے بے خبر تھا کہ یہ مومن آگ میں پہنچ کر اپنے رب کریم کا ایک عجیب آرام وراحت محسوس کرتے ہیں چنانچہ اس یہودی بادشاہ نے ایک عورت کو مع بچے کے لایا اوراس کو ایک بُت کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دے دیا ۔وہ عورت پاک دین والی مومنہ تھی اس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ظالم بادشاہ نے اس بچے کو اُس سے چھینا اوراُسی کے سامنے آگ میں ڈالدیا عورت ڈرنے لگی اور ایمان سے ہٹنا چاہا۔ ۔وہ اندر سے بت کے سامنے سجدہ کرنے پر آمادہ ہوگئی، لیکن قسمت نے اسے یاوری کی کہ اسی اثنا میں بچہ آگ میں چیخا اور پُکار کر کہا کہ اے میری ماں میں مرا نہیں۔میں اس جگہ بالکل ٹھیک طرح سے ہوں اگرچہ بظاہر آگ میں ہوں۔آگ نظر بندی کے لیے ایک پردہ ہے ورنہ یہ ایک رحمت ہے۔اے ماں تو بے خطر اس آگ میں کود اور حضرت ابراہیم کے راز دیکھ۔میں نے اس آگ میں وہ دنیا دیکھی جس میں ایک ایک ذرہ حضرت عیسیٰؑ کے سانس کی طرح ہے، جس میں خدا نے یہ تاثیر رکھی تھی کہ اُنکے دم سے اللہ کے حکم سے مردہ زندہ ہوتے تھے۔اے ماں تو نے اس یہودی کُتے کی طاقت دیکھ لی۔اب اس آگ میں داخل ہوکر اللہ کی قدرت اور مہربانی دیکھ ۔اے ماں تو دوسرے مسلمانوں کو بھی اس آگ میں داخل ہونے کے لیے بلاؤ۔بچے کا یہ دلکش کلام سن کر ماں آگ کے اندر کودی اور ہمیشہ کی بازی جیت لی۔اس کے بعد لوگ جوق در جوق آگ میں کود پڑے۔معاملہ یہاں تک قابو سے باہر ہوگیا کہ اب بادشاہ کے سپاہی لوگوں کو آگ میں کونے سے منع کرنے لگے اور یہودی بادشاہ اپنے کام سے خود ہی ذلیل ہوگیا۔اوراس کا منہ ٹیڑھا ہوگیا۔اسی طرح آنحضرتﷺ کے زمانے میں جب ایک کمینہ شخص نے حضورﷺ کا نام تمسخر کے ساتھ لیا تو اس کا منہ ٹیڑھا ہوگیا، لیکن یہ شخص فوراً واپس آیا اور حضورﷺ سے درخواست کی اے محمدﷺ مجھے معاف فرما دیجئے۔میں نے جہالت کی وجہ سے آپ کا مذاق اُڑایا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی تمسخر کے قابل تھا۔یہاں پر مولانا نے ایک بہت ہی قیمتی نصیحت فرمائی ہے کہ

چو خدا خواہد کہ کس پردہ درد ☆ میلش اندر طعنۂ پاکاں برد
ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس ☆ کم زند در عیب معیوباں نفس

ترجمہ:۔ جب خدا چاہتا ہے کہ کسی کی پردہ دری کرے۔ اس کا میلان پاک لوگوں پر طعنہ زنی میں کر دیتا ہے۔ اور اگر خدا چاہتا ہے کہ کسی کی عیب پوشی کرے تو عیب داروں کے عیب بھی نہیں بیان کرتا۔

دوسرا اہم نکتہ مولانا یہ بیان فرماتے ہیں کہ ؎

چوں خدا خواہد کہ ماں یاری کند
میل ما را جانب زاری کند
اے خنک چشمی کہ اُو گریان اُوست
وے ہمایوں دل کہ اُو بریان اوست
ہر کجا آبِ رواں سبزہ او بُوَد
ہر کجا اشکِ رواں رحمت شود
رحم خواہی رحم کن بر اشکبار
رحم خواہی بر ضعیفاں رحم آر

ترجمہ:۔ جب خدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہمیں انکساری کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ بڑی مبارک ہے وہ آنکھ جو اس کے لیے روتی ہے اور وہ دل بہت مبارک ہے جو اس کے لیے جل بھن رہا ہے۔ جہاں کہیں آبِ رواں ہو، سبزہ ہوتا ہے۔ جہاں کہیں اشک رواں ہو رحمت ہوتی ہے۔ تو رحم چاہتا ہے تو آنسو بہانے والے پر رحم کر۔ تو رحم چاہتا ہے تو کمزروں پر رحم کر۔

قصہ کے آخر پر مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ آگ کا یہ عجیب معاملہ دیکھ کر یہودی بادشاہ کو آگ پر غصہ آیا اور آگ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے بدمزاج آگ تمہارے جلانے کی وہ فطری عادت کہاں چلی گئی۔ تو کیوں نے نہیں جلاتی ہے۔ آگ کو خدا نے زبان دی اور آگ نے کہا کہ میں وہی آگ ہوں۔ اندر آجا، تا کہ تو میری گرمی دیکھے۔ میں ترکمانی کتوں سے کم تر نہیں ہوں جو خیمہ کے دروازہ پر مہمان کے آگے خوشامد کرتے ہیں اور اگر خیمہ کے پاس سے اجنبی گزرتا ہے تو وہ ان کتوں سے شیروں جیسا حملہ دیکھتا ہے۔ پورے قصے کا خلاصہ مولانا نے ان چار اشعار میں بیان فرمایا ہے کہ ؎

من زسگ کم نیستم در بندگی کم زِ ترکے نیست حق در زندگی

ترجمہ:۔ میں غلامی میں، کتے سے کم نہیں ہوں اللہ تعالیٰ زندہ ہونے میں کسی ترک سے کم نہیں ہے۔

چونکہ غم بینی تو استغفار کن
غم بامرِ خالق آمد کار کُن
چوں بخواہد عین غم شادی شود
عین بند پائے آزادی شود
باد و خاک و آب و آتش بندا ند
با من و تو مردہ باحق اندہ اند

ترجمہ:۔ جب تو غم دیکھے، تو توبہ کر۔ غم خدا کے حکم سے کام کرتا ہے۔ جب وہ چاہتا ہے تو عین غم خوشی بن جاتا ہے۔ خود بیڑی آزادی بن جاتی ہے۔ ہوا، مٹی، پانی اور آگ غلام ہیں۔ میرے اور تیرے اعتبار سے مردہ ہیں، لیکن اللہ کے نزدیک زندہ ہیں۔

.....جاری.....

حالیہ سیلاب میں جمعیت علمائے ہند کی خدمات

زیر نگرانی حضرت مولانا محمد رحمت اللہ

(از محمد حمید اللہ میر رحیمی کنوینر جمعیۃ علماء)

ٹھیک 6 ستمبر 2014 کو سرینگر اور اس کے اطراف میں ایک ایسا سیلاب آیا جس نے زندگی کو مفلوج کر کے رکھ دیا جو لوگ آرام اور سکون سے اپنے گھروں رہائش گاہوں اور مکانوں میں رہ رہے تھے ان کو اس قدرتی آفت نے گھروں سے باہر نکال دیا اور دو وقت کے کھانے کے لیے دوسروں کا محتاج بنا دیا اور کل تک جو انسان دوسرے لوگوں کو پناہ دے رہا تھا اور کھلا پلا رہا تھا وہ اب خود اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا اور دوسروں کو کھانا کھلانے کے بجائے اب دوسروں سے کھانا مانگنے کا محتاج ہو گیا تھا چنانچہ اس خطرناک اور ہلاکت خیز صورت حال کو دیکھ کر حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب دامت برکاتہم ناظم دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ اور حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی دامت برکاتہم جنرل سیکریٹری جمعیۃ العلماء ہند نے باہمی مشورہ سے فوری طور پر راحت اور ریلیف کا کام شروع کروایا۔

8 ستمبر کو دہلی سے جمعیۃ العلماء ہند کی طرف سے ایک وفد جس میں مولانا حکیم الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم سیکریٹری جمعیۃ علماء ہند مولانا غیور احمد قاسمی دامت برکاتہم سرینگر پہنچے چنانچہ حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب دامت برکاتہم کی راہنمائی اور جناب عبدالسبحان لون صاحب کی معیت میں حالات کا جائزہ لیا گیا اور راحت رسانی کے کام کو تیز کرنے کے لیے دارالعلوم رحیمیہ سے تقریباً سو طلباء اور خدام کو کام پر لگا دیا گیا، چنانچہ بانڈی پورہ سے ٹریکٹروں ،کشتیوں اور دیگر ضروری سواریوں کا انتظام کر کے سیلاب میں پھنسے ہوئے لوگوں کو سات دنوں تک مسلسل محفوظ مقامات تک پہنچایا جاتا رہا اس کے بعد اشیاء خورد و نوش ، دودھ ، پکے پکائے کھانوں کی سپلائی شروع کر دی گئی، لنگر کھانے قائم کرائے گئے اور جہاں لنگر چل رہے تھے وہاں چاول آٹا اور دوسرے راشن وغیرہ پہنچانے کا انتظام کرایا گیا۔

پانی کم ہونے کے بعد ڈاکٹروں کی ٹیمیں بنائی گئیں اور تین ایمبولنسز کا انتظام کر کے پندرہ ڈاکٹروں کی مسلسل ایک مہینہ تک خدمات حاصل کر کے لوگوں کو مفت علاج کرایا گیا اور مفت دوائیاں بھی دی جاتی رہیں۔

☆ سیلاب تباہی و بربادی کے ساتھ غلاظت و گندگی کے انبار بھی چھوڑ گیا تھا اس لیے یہ فیصلہ لیا گیا کہ ترجیحی بنیاد پر مسجدوں کی صفائی کرائی جائے ، چنانچہ دارالعلوم رحیمیہ سے دورہ حدیث اور افتاء کے طلباء کی مدد سے شہر کی مسجدوں کی صفائی بھی کرائی گئی اور کچھ مسجدوں میں فرش وغیرہ کا بھی انتظام کرایا گیا، نیز جن مسجدوں میں جزوی نقصان ہوا تھا ان کی مرمت بھی کرائی گئی اور ایک مسجد جو کہ مکمل شہید ہو چکی تھی اس کو از سر نو تعمیر کرایا گیا۔

☆ کشمیر میں چونکہ سیلاب کے بعد سردیاں شروع ہونے والی تھیں اس لیے یہاں کی سردی کے پیش نظر پچیس ہزار کمبل تقسیم کئے گئے اور بارہ ہزار میٹر تھرماکول تقسیم کیا گیا۔

☆ غریبی کی سطح پر زندگی گذارنے والے اور آٹو رکشا چلانے والوں کے لیے کئی جگہوں پر ورکشاف قائم کرا کر 200 سے زائد آٹو رکشاؤں کی مرمت کرائی گئی تا کہ وہ دوبارہ اپنی روزی روٹی کما سکیں۔

☆ ٹھیلے اور ریڈیوں پر مختلف پھل ، میوے ، سبزیاں اور دوسری چیزیں بیچنے والوں کے لیے ٹھیلے اور ریڈے منگوا کر ان کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر کے ان کو اپنے کاروبار پر لگا دیا گیا۔

☆ چھاپڑی فروشوں اور دوسرے چھوٹے موٹے کاروبار کرنے والے تقریباً دو سو افراد میں کم و بیش تیس لاکھ روپے تقسیم کر کے ان کو دوبارہ روزگار کے ساتھ جوڑا گیا۔

اجڑے ہوئے اور بے گھر لوگوں کو دوبارہ رہائش اور گھر فراہم کرنے کے لیے باز آبادکاری کا ایک بڑا پروگرام بنایا گیا، جس میں سب سے پہلے وہ لوگ جو عارضی مکانات یعنی شیڈوں میں رہا کرتے تھے، چونکہ ان کے وہ عارضی مکان پوری طرح بہہ گئے تھے اس لئے یہ فیصلہ لیا گیا کہ سب سے پہلے انکی رہائش کا انتظام کیا جائے ، چنانچہ مہجور نگر میں 44 اور بمنہ منصور کالونی میں 66 ہٹس ، جو کہ ایک کمرہ ، ایک کچن اور ایک واش روم پر مشتمل ہے ، بنوا کر لوگوں کے سپرد کر دئے گئے ، جن لوگوں کے مکانات سیلاب سے تباہ ہو گئے ان کے لیے جمعیۃ علماء نے

مکانات بنانے کا فیصلہ لیا اس طرح سے اب تک ضلع سرینگر کے مختلف علاقوں میں دوسو مکانات جس میں بٹہ مالو کے 39 اخراج پورہ کے 30 سرائے بالا کے 30 قمرواری کے 18 اور شالٹینگ کے 20 مکانات بھی شامل ہیں۔اس کے علاوہ ضلع بارہمولہ میں 10 مکانات ضلع اسلام آباد میں 2 مکانات ضلع رام بند میں 20 ضلع کولگام میں 27 مکانات اور ضلع بانڈی پورہ میں 75 پختہ مکانات کی تعمیر کرائی گئی اور ضلع پلوامہ میں 46 مکانات کی تعمیر کے لیے فی مکان پچاس پچاس ہزار روپے کی مدد کی گئی۔

!جمعیۃ علماء کے اس کام میں جن احباب کا مکمل تعاون رہا ان میں صدر محترم امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصوری پوری دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند و استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند جو کہ کئی بار کشمیر تشریف لائے اور خبر گیری بھی کی اور مختلف جگہوں کا دورہ بھی کیا ،نیز مولانا سید محمود اسعد مدنی دامت برکاتہم جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند جو کہ سیلاب کے فوراً بعد یہاں حال میں تشریف لائے کہ راستے بند ہو جانے کی وجہ سے احقر خود ٹریکٹر لے کر ائر پورٹ حاضر ہوا اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب دامت برکاتہم ناظم دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ جنہوں نے راہنمائی کی اور مسلسل دو مہینے تک سرینگر میں ہی قیام پزیر رہے اور بنفسِ نفیس کاموں کی نگرانی کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے عیدالاضحیٰ میں بھی سرینگر میں ہی قیام فرمایا اور سیلاب زدہ لوگوں کے دلوں کی مرہم پڑی کرتے رہے۔

اسی طرح جناب مولانا نیاز احمد فاروقی قاسمی ،مولانا حکیم الدین قاسمی ،آرگنائزر مولانا شفیق احمد قاسمی مالیگانوں کا تذکرہ بھی کرنا چاہیں گے کہ ان لوگوں نے بھی یہاں رہ کر ہمارے ساتھ بھر پور تعاون کرتے ہوئے کاموں کی نگرانی کی۔کمیٹی کے آرگنائزر جناب عبدالسبحان لون صاحب ،ارکان جناب توصیف لون ،جناب ذکی احمد خان صاحب نے بھی متاثرین کی خدمت کرنے کے لیے بھر پور کوشش کی۔

اس کے علاوہ ہم جناب سجاد صاحب ،جناب ریاض صاحب اور جہانگیر بھائی وغیرہ حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو ہر وقت ہمارے تعاون میں اور ہمارے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ہم اپنے چھوٹے بڑے ان تمام معاونین کا شکر گذار ہیں ،جنہوں نے کسی طرح کا بھی

ہمارا اور ہماری جماعت کے ساتھ تعاون کیا ہے۔آخر پر ہم دہلی کے مشہور اردو روزنامہ اخبار انقلاب کے نیوز ایڈیٹر جناب ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں ،جو ہماری حقیر سی دعوت پر سفر کر کے یہاں تشریف لائے اور ہمارے کاموں کا جائزہ و معائنہ کر رہے ہیں ۔اللہ پاک سے دُعا ہے کہ جمعیۃ علماء کی ان خدمات کو قبولیت سے نوازے۔ہمارے اکابرین کی عمروں میں عافیت کے ساتھ برکت عطا فرمائے ،نیز ان تمام معاونین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جن کے تعاون سے یہ کام بحسن خوبی چال رہا ہے۔

مسائل شتیٰ

مرتّب: آسی غلام نبی وانی فتح گڈھی

مسائل شتیٰ (متفرق مسائل) کے متعلق ایک ضروری وضاحت

آج سے ہم نے رسالہ راہِ نجات میں مسائل شتیٰ کے نام سے ایک نیا گوشہ کھولا ہے اور ہم پوری دیانت داری سے اس کو وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہیں۔ دینی علوم کا احاطہ صرف فضائل تک محدود نہیں ہے بلکہ فضائل کے ساتھ ساتھ مسائل کا صحیح علم نہ ہوگا، تو ایک شخص پورے اخلاص کے باوجود بھی غلطی کا شکار ہوسکتا ہے۔ ہمارے پاس علماء کے دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ تو وہ ہے جو مرحوم ومغفور ہے اور ہم سے رخصت ہوکر اپنے مالک حقیقی کے پاس پہنچ چکے ہیں، لیکن اپنی ممات کے باوجود وہ اللہ کے دربار میں اپنے دینی کارناموں کی وجہ سے زندہ وتابندہ ہیں اور انہوں نے ایسے کارنامے انجام دئے ہیں، جن کی وجہ سے ان کو **ولا تقولون لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء** کی روشنی میں زندہ ہی تصور کیا جانا چاہیے، بلکہ بقول علامہ اقبالؒ

زاجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتداء بر رفتگاں محفوظ تر

ترجمہ:۔ کم نظر عالموں کی اقتداء سے مرحوم علماء کی اقتداء ہی محفوظ تر ہے۔ دوسرا طبقہ ان علمائے حقانی کا ہے جو ابھی بقید حیات ہیں اور دین کے مختلف شعبوں میں اپنی گراں قدر خدمات انجام دے رہیں ہیں۔ اُن کی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے ہر وقت ان سے مسائل کے استفسار میں مشکلات حائل ہورہے ہیں پھر دوسری بات یہ بھی ہے کہ عوام کی ایک کثیر تعداد اپنے نجی معاملات اور مسائل لے کر اُن کے گرد ایک ہالہ کی طرح ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں راہِ نجات کے لیے ان سے بروقت مسائل کا جواب حاصل کرنا ''کوہِ فرہاد سے جوئے شیر'' لانے

کے مترادف ہے۔ اس لیے راہِ نجات کے خدام نے یہ فیصلہ لیا کہ فی الحال اُن مرحوم علماء کے چھپے ہوئے فتاویٰ میں سے اُن ضروری مسائل کا انتخاب کیا جائے جن کے جواب کی (فی زماننا) سخت ضرورت ہے۔ اور جن کے متعلق بڑے بڑے اکابر امت نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ فی الحال ہم نے فتاویٰ رحیمیہ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، اور فتاویٰ امدادیہ کا انتخاب کیا ہے۔ آگے چل کر ہم جہاں ضرورت محسوس کریں گے دیگر مستند فتاویٰ کی کتابوں سے بھی استفادہ کریں گے۔ فتاویٰ کی یہ مذکورہ کتابیں ایسی ہیں جن پر خاص وعوام دونوں کو اطمینان ہے۔ مسائل کے انتخاب میں راہِ نجات میں عامۃ المسلمین کے وسیع تر دینی مفاد کے پیش نظر ان مسائل کا انتخاب کیا جائے گا جس کی فی الوقت ضرورت بھی ہے۔ اور اپنی جگہ اہمیت بھی، لیکن یہاں پر اس بات کی وضاحت کرنی ضروری ہے کہ فتاویٰ کی یہ کتابیں مسلک حنفی کے تحت مرتب ہیں جس سے دیگر مسالک کی تردید مقصود نہیں بلکہ آبادی کے اُس کثیر تعداد کو تشفی دلانا مقصود ہے، جو یہاں پر مسلک حنفی کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ مسائل ہماری پوری دیانت کے ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر کئے گئے ہیں جہاں پر ہمیں موجودہ دور کے ان علماء سے رجوع کرنے کی ضرورت پڑے گی جو فی الوقت زندہ وجاوید ہیں وہاں پر ہم ان سے بھی بھر پور استفادہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس معاملے میں ہماری مدد اور رہبری فرمائے اور جو لوگ ان مسائل سے باخبر ہوکر ان کو اپنی زندگی میں عملانے کی کوشش کریں گے وہ اپنی نیک دعاؤں میں ادارۂ راہِ نجات اور اس میں کام کرنے والے عملے کو بھی یاد رکھیں۔ وسلام

نائلون کے موزوں پر مسح جائز ہے یا نہیں؟

سوال:۔ ہمارے یہاں عرب سے آئے ہوئے یونیورسٹی اور کالج کے طلباء نائلون کے موزوں پر مسح کرتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ نائلون کے موزوں پر مسح درست نہیں تو وہ ولوگ اس کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے جوتے پاک ہیں ہم قالین پر چلتے ہیں پھر وضو کرتے وقت بار بار کیوں موزے اتاریں۔ میں نے ان کو سمجھایا مگر تسلیم ہی نہیں کرتے، تو کیا نائلون کے موزوں پر مسح کرنا درست ہے؟ بینوا توجروا (از کنیڈا)

الجواب:۔ حدیث میں ہے (۱) **عن المغیرۃ بن شعبۃ انّ رسول اللہ ﷺ مَسَحَ**

علی الخفین فلقتُ یا رسولَ اللّٰہ اَنسِیتَ قَالَ بَلْ اَنتَ نَسِیتَ بِھٰذا اَمَرَنِیْ رَبِّی عَزَّ وَ جَلَ۔(ابوداؤد شریف (ص۲۳ ج۱)

(۲) عن لمغیرۃ بن شعبہؓ قال رَأیتُ النبیّ ﷺ یَمْسَحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ عَلیٰ ظاھر ھما (ترمذی شریف ص۱۵ ج۲)

(۳)عن ابن عباسؓ قال اشھد انّ النبیَّ ﷺ مَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ (رواہ البزار ۔۰ زجاجۃ المصابیح ص۱۴۲ ج۱)

مذکورہ احادیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے خفین پر مسح کیا اور خفین کا اطلاق محدثین اور فقہاء کے یہاں چمڑے کے موزوں پر ہوتا ہے۔ کما لایخفیٰ علی من ینظر کلام الفقھاء و المحدثین ۔لہٰذا اگر چمڑے کے موزے ہوں، تو ن پر بلا کسی اختلاف کے مسح کرنا جائز ہے اور اگر چمڑے کے موزے نہیں ہیں، بلکہ سوت یا اون کے ہیں، تو فقہاء کرام نے ایسے موزوں پر جواز مسح کے لیے یہ شرطیں تحریر فرمائی ہیں کہ وہ ایسے دبیز، موٹے اور مضبوط ہوں کہ صرف ان کو پہن کر تین میل چلنا ممکن ہو۔ دوسرے یہ کہ پنڈلی پر بغیر باندھے (کپڑے کے موٹا ہونے کی وجہ سے) قائم رہ سکیں۔ تیسرے یہ کہ اس میں پانی نہ چھنے اور جذب ہو کر پاؤں تک نہ پہنچے، سوت (کوٹن) یا اون کے ایسے موزے ہوں، تو ان پر مسح کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ ایسے موزے چرمی (چمڑے) کے موزے کے حکم میں آجاتے ہیں۔ نائلون کے موزے اوّلاً تو دبیز نہیں ہوتے بلکہ بالکل رقیق اور پتلے ہوتے ہیں ان کو پہن کر تین میل چلنا مشکل ہے پھٹ جانے کا اندیشہ ہے اور اگر نہ بھی پھٹیں تب بھی اس میں یہ کمی ہے کہ ان پر پانی ڈالا جائے، تو پانی جذب ہو کر پاؤں تک پہنچ جاتا ہے اس لیے ایسے نائلون کے باریک موزوں پر مسح کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے وان کانا رقیقین غیر منعّلین لا یجوز المسحُ علیھما (قاضی خان ص۲۵ ج۱)

شرح نقایہ میں ہے۔ واجمعو اعَلیٰ انہ لو کان منعلاً او مبطّناً یجوز المسحُ علیہ ولو کان من الکرباس لا یجوز المسحُ علیہ و ان کان من اشعر فالصحیحُ ان کان صلباً . مستمسکاً یمشی معہ فرسخاً او فراسخ یجوز (شرح نقایہ ص۲۹ ج(۱))

صرف موزوں اور جوتوں کا پاک ہونا مسح کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی، موزوں کا پاک ہونا، تو ہر حال میں ضروری ہے، جس طرح کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے ۔۔۔

سامنے ہے، نیز اس میں نجاشی کا اعزاز بھی مقصود تھا، نجاشی کی خدمات بہت ہیں مکہ مکرمہ میں جب مشرکین مکہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر بہت ہی ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کیا کہ کسی طرح اسلام سے برگشتہ ہو جائیں تو آنحضور ﷺ کے حکم سے صحابہ نے اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لیے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں نجاشی نے صحابہ کا بہت ہی اعزاز واکرام کیا اور ہر طرح ان کو راحت پہنچائی اور خود بھی حلقہ بگوش اسلام ہو کر مخلص مسلمان بن گئے۔ ایسے وقت جبکہ صحابہ کا کوئی معین ومددگار نہ تھا نجاشی نے ان کو پناہ دی اور ہر طرح مدد کی، تو جب آنحضور ﷺ کو ان کی وفات کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ سمیت ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس میں نجاشی کا اعجاز بھی مقصود ہے، لہٰذا یہ حکم عام نہ ہوگا۔ اور اس سے استدلال صحیح نہ ہوگا، خود آں حضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں بے شمار صحابہ مدینہ منورہ کے باہر شہید ہوئے اور ان کے شہید ہونے کی خبر خود آنحضور ﷺ نے صحابہ کو دی مگر ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، حالانکہ خود حضور ﷺ کی ہدایت تھی کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو مجھے اس کی اطلاع دو اس لیے کہ میرا نماز پڑھانا مردے کے لیے باعث رحمت ہے، اور فرمان خداوندی ہے اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ۔ بے شک آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے۔ بر معونہ کا مشہور حادثہ پیش آیا جس میں ستر (۷۰) قرائے صحابہ کو دشمنانِ اسلام نے دھوکہ سے اپنے ساتھ لے جا کر بڑی بے دردی سے سب کو شہید کر دیا۔ حضور ﷺ کو اس سے بہت ہی صدمہ ہوا ایک مہینہ تک فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی۔ مگر ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ غزۂ موتہ میں خود حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ جعفر بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر دی، ان کے لیے دعاءِ مغفرت کی مگر نماز نہیں پڑھی، اگر غائبانہ نماز جنازہ کا عام حکم ہوتا تو آپ ﷺ ہر ایک کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے اور آپ کی اتباع کرتے ہوئے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پڑھتے مگر اس کا صحیح طور پر ثبوت نہیں۔ لہٰذا اب کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھے اگر پڑھے گا تو یہ خلاف سنت ہوگا۔ حوالہ جات درج کرنے کے بعد صاحب فتاویٰ رحیمیہ مزید لکھتے ہیں کہ عمدۃ الفقہ میں ہے۔ میت کا وہاں موجود ہونا .....پس غائب کی نماز جنازہ درست نہیں ہے

آنحضرت ﷺ نے نجاشی اصحمہ شاہ حبشہ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی ہے، یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کے سامنے جنازہ کے درمیان پردے اللہ تعالیٰ نے ہٹا دئے اور اس کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا۔ دوسرے لوگ اس کو نہیں دیکھ رہے تھے تو آپ کا امام ہو کر اس کی نماز جنازہ حاضر میت پر ہوا اور اصحابہ کا آپ کی اقتداء کرنا اگرچہ وہ میت کو نہ دیکھ رہے ہوں جائز ہوا اس میں کوئی مانع نہیں اگر غیر موجود میت پر نماز جنازہ جائز ہوتی تو حضور انور ﷺ ان صحابہ کرامؓ کی نماز جنازہ غائبانہ ضرور پڑھتے جو کثیر تعداد میں آپ سے دور فوت ہوئے اور دفن ہوئے حالانکہ باوجود آپ ﷺ کے نماز جنازہ پر بہت حرص فرمانے کے اور باوجود حکم الٰہی کے اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ اور آپ ﷺ نے فرمایا لَا یَمُوْتُنَّ احدٌ منکم الا اذنتمونی بہ فان صلاتی علیہ رحمتہ لہ۔ کسی کی غائبانہ نماجنازہ زپڑھنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہوا پس کسی کی نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھنا درست نہیں ہے اور جن لوگوں نے حدیث نماز جنازہ بادشاہ حبشہ نجاشی سے سند پکڑ کر اس کا رواج ڈالا ہے یہ غلط اور غیر مشروح ہے (عمدۃ الفقہ ص ۵۱۶، ۵۱۷ مطبوعہ کراچی پاکستان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم صفحہ نمبر ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶)

سوال:۔ سیلاب میں کوئی عورت بہہ کر آ گئی ہو اور بدن پر کپڑے نہ ہو اور ایسی کوئی علامت نہ ہو جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ مسلمان ہے یا غیر مسلم تو اس کے کفن دفن کا کیا حکم ہے؟ نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ صورت مذکورہ میں جب مسلمان ہونے کی کوئی علامت نہ ہو تو مسنون طریقہ کی رعایت کئے بغیر اس کو نہلا کر کسی جگہ دفن کر دیا جائے اور اگر کسی قرینہ سے دل گواہی دیتا ہو کہ مسلمان ہوگی تو نماز پڑھی جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۶ صفحہ ۳۶۵، ۳۶۶)

امام سے جھگڑا ہونے کی وجہ سے ترکِ جماعت

سوال:۔ ایک شخص کا امامِ مسجد سے جھگڑا ہو گیا ہے اس شخص نے نماز جماعت سے پڑھنی چھوڑ دی ہے جس وقت نماز شروع ہو جاتی ہے وہ شخص علاحدہ نماز شروع کر دیتا ہے وہ شخص گنہگار ہے یا

نہیں؟

جواب:۔ایسی حالت میں جماعت چھوڑنا اور علاحدہ نماز پڑھنا سخت گناہ ہے وہ شخص گنہگار ہوگا۔
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۶۴)

کھلے سر نماز پڑھنا

سوال:۔سر کھلا رکھ کر نماز پڑھنا اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔کھلے سر پھرنا آجکل فیشن ہو گیا ہے اور اس کو فساق و فجار نے اختیار کیا ہے اور یہ بہت قبیح ہے علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں **والا یخفی علیٰ عاقلٍ انّ کشف الراس مستقبح و فیه اسقاط مروّة و ترک ادبٍ.** عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ سر کھولنا قبیح ہے اور مروۃ کو ختم کرنا ہے اور ادب و شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے (تلبیس ابلیس ص ۳۷۳)

قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں **ویکره کشف الرأس بین الناس** ۔لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے (غنیۃ الطالبین ص ۱۳ ج ۱) مالا بدمنہ میں ہے۔ مرد را تشبہ بہ زناں و زن را تشبہ بہ مرداں ،ومسلم را تشبہ بہ کفار و فساق حرام است ۔مردوں کو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا اور مسلمانوں کو کفار و فساق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے (مالا بدمنہ ص ۱۳۱)

جب خارج نماز یہ حکم ہے تو اس حالت میں نماز پڑھنا بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا درمختار میں ہے (**و صلاته حاسراً**) **ای کاشفاً** (**رأسه للتکاسل**) الخ اور مکروہ ہے کاہلی اور بے اعتنائی کی بنا پر کھلے سر نماز پڑھنا الخ (درمختار ص ۵۳۴ ج ۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔
(بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم ص ۳۵۱، ۳۵۲)

پیدائش کے وقت زندگی کے آثار معلوم ہوں تو کیا حکم ہے؟

سوال:۔بچہ کی پیدائش کے وقت آثارِ حیات معلوم ہوتے تھے، لیکن جب پورے طور پر پیدا ہو گیا، تو آثار حیات معلوم نہ ہوئے، تو اب اس کا نام رکھا جائے؟ اور جنازہ کی نماز پڑھی جائے یا

نہیں، اگر بچہ مردہ پیدا ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔بچہ کے بدن کا اکثر حصہ باہر آنے تک آثارِ حیات باقی رہے یعنی سر کی طرف سے پیدا ہو تو سینہ تک اور پاؤں کی طرف سے پیدا ہو تو ناف تک نکلے، اس وقت تک آثارِ حیات باقی رہیں، تو بچہ زندہ شمار ہوگا اور مسنون طریقہ سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے گی اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے گا، اور اگر اکثر حصہ نکلنے سے پہلے مر جائے تو مردہ شمار ہوگا، اس کو دھو کر پاک کپڑے میں لپیٹ کر بلا نمازِ جنازہ کے دفن کر دیا جائے اور دونوں صورتوں میں نام رکھ لیا جائے ۔دُرِمختار میں ہے **ومن وُلد فمات یُغسل و یُصلیٰ علیه و یرث و یورث و یسمّٰی انِ سُتَهَلّ بالبناء للفاعل ای وجد منه ما یدلُّ علیٰ حیاته بعد خروج اکثرهٖ .الی قوله** ۔(**الاّ**) **یستهلّ** (**غسل و سمّیَ**) **عند الثانی و هوالا صحُّ و یفتیٰ به** ..... **و ادرج فی خرقته و دفن و لم یصلَّ علیه** ا ھ (درمختار مع الشامی ص ۸۲۹، ۸۳۰ ج ۱) فقط واللہ اعلم بصواب) بحوالۂ فتاویٰ رحیمیہ جلد ۵ ص ۹۶، ۹۷)

عورتوں پر عید کی نماز ہے یا نہیں؟ اور وہ عیدگاہ جائیں یا نہیں؟

سوال:۔عورتوں پر عیدین یا جمعہ واجب نہیں ہے، لیکن اگر وہ گھر میں پڑھ لیں تو ان کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ یا انھیں پڑھنے کی بالکل اجازت نہیں ہے؟ اور اسی طرح انہیں عید کی نماز کے لیے عیدگاہ جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرماویں۔فقط بینوا توجروا
از ایک خاتونِ ممبئی۔

جواب:۔نماز جمعہ و عیدین عورتوں پر واجب نہیں، فقہ کی معتبر کتاب مالا بدمنہ میں ہے، **نماز جمعہ بر طفل و بندہ و زن و مسافر و مریض واجب نیست** (ص ۵۵) **نماز عید را شرائط وجوب و ادا مثل نماز جمعہ است** (ص ۵۵) یعنی جمعہ اور عید کی نماز بچہ، غلام، عورت، مسافر اور مریض پر واجب نہیں ہے، نیز عید کی نماز بلا جماعت تنہا تنہا پڑھنا بھی درست نہیں ہے، جماعت شرط ہے (جس طرح جمعہ میں) اور عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔ **جماعتِ زناں تنہا نزدِ امام ابوحنیفہؒ مکروہ است** (**مالا بُدّ منه** ص ۳۵)۔عیدگاہ یا مساجد میں عید کی نماز ہو جانے کے بعد عورتیں

اپنی گھروں میں تنہا تنہا بطور شکر یہ نفل نماز پڑھ سکتی ہیں، نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا عورتوں کے لیے بھی ممنوع اور مکروہ ہے۔ فقط۔

تفصیلی جواب

عورتوں کے لیے جہاں تک ممکن ہو مخفی مقام پر اور چھپ کر نماز پڑھنے میں زیادہ فضیلت اور ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک خاتون بیت (کمرہ) میں نماز پڑھے یہ صحن کی نماز سے بہتر ہے اور اندرونی کوٹھری میں نماز پڑھنا کمرہ میں پڑھنے سے بہتر ہے **عن النبی ﷺ قال صلوات المراة فی بیتها افضل من صلاتها فی حجرتها و صلوتها فی فی مخد عها افضل من صلوتها فی بیتها** (ابوداؤد ص ۹۱ ج ۱)

ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کے بجائے اکیلے نماز پڑھنے میں 25 درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے (مسند الفردوس)

بے شک آنحضور ﷺ کے دور مبارک میں خواتین کو مسجد میں حاضر ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت تھی، کیوں کہ خود رحمۃ للعالمین ﷺ موجود تھے، تعلیم کا سلسلہ جاری تھا، نئے نئے احکامات نازل ہو رہے تھے، وہ دور مقدس تھا، جس کو خیر القرون فرمایا گیا ہے، بعد میں تو خرابیاں پیدا ہونے لگیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے نے منع فرمایا، ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی تائید کی اور فرمایا کہ اگر آنحضور ﷺ عورتوں کی یہ حالت دیکھتے جو حضرت عمرؓ نے دیکھی ہے، تو آنحضرت ﷺ بھی عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔ ان عائشته رضی الله عنها زوج النبی ﷺ قالت لو ادرك رسول الله ﷺ ما احدث النّساءُ لمنعهن المسجد كما منعه (و فی نسخته منعت) نساءُ بنی اسرائیل الخ (ابوداؤد شریف ص ۹۱ ج ۱)

شارح بخاری علامہ عینی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان حضور اکرم ﷺ کی وفات کے کچھ ہی عرصہ کے بعد کا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں۔ وامّا الیوم فنعو ذ بالله من ذالك۔ لیکن اس زمانہ (یعنی ۸۵۵ھ) کا حال تو خدا کی پناہ! (عمدۃ القاری شرح بخاری۔ بحوالۂ کفایت المفتی ص ۳۹۲ ج ۵)۔

مذکورہ حال تو نویں صدی ہجری کا ہے، اب تو چودھویں صدی ہجری ہے تقریباً پانچ سو سال ہو چکے ہیں، ہمارے زمانہ کی عورتوں کی آزادی، بے حیائی، بے شرمی، بے غیرتی اور فتنہ کا کیا کہنا؟ کیا اس زمانہ میں جواز کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عورتوں کا مسجد میں جانا مکررہ ہے، خواہ پنج وقتہ نمازوں کے لیے جائیں یا جمعہ اور عید کی نماز کے لیے جائیں یا **مجلس وعظ** میں شرکت کرنے کے لیے ویکره حضورُ هنّ الجماعتَه ولو لِجُمعتهٍ و عیدنٍ ووعظٍ مطلقاً ولو عجوزاً لیلاً علی المذهب المفتیٰ به لفسادالزمان (درمختار مع الشامی ص ۵۲۹ ج ۱)

اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی رائے عالی بھی قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں **ودریں زماں مکررہ است برآمدن زناں برائے جماعت از جہت فسادِ زمان و نیز برآمدنِ زنان دراں زماں بقصد تعلیم شرائع بود، احتیاج نیست بداں دریں زماں از جہت شیوع واشتہارِ احکامِ شریعت وتستّر بحال زنان اولیٰ است**۔ (ترجمہ) جماعت کے لیے عورتوں کا مسجد میں آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے کیوں کہ فساد وفتنہ کا خطرہ ہے، عہد نبوی میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم کے حصول کی غرض سے تھی جو غرض اب باقی نہیں ہے، اس لیے کہ احکام شریعت آجکل عام طور شائع ہیں اور عورتوں کا پردہ میں رہنا بہر حال اولیٰ ہے۔ **اشعته اللمعات ص ۲۳۳ قلمی باب الجماعته و فضلها .الفصل الاول تحت حدیث عن ابن عمرؓ قال قال النبی صلی الله علیه وسلم اذا استاذنت مرأة احدکم الی المسجد فلا یمنعا)**

یہ حکم عام ہے حرم شریف ہو یا مسجد نبی، ہندوستان ہو یا عرب سب کے لیے یہی حکم ہے، لہٰذا عورتوں کی عزت، آبرو اور ایمان کی حفاظت اس میں ہے کہ عید کی نماز کے لیے بھی نہ نکلیں، ان پر عید کی نماز واجب بھی نہیں ہے۔ (مالا بدمنہ ص ۵۵ الی ۵۸)

فقط واللہ اعلم بالصواب

مساجد کا نظام چلانے کا شرعی طریقہ

قرآن کریم میں اللہ کا فرمان ہے **ومن یتول الله ور سوله والذین اٰمنو ا فان**

حزب الله هم الغالبون. (سورۂ المائدہ آیت نمبر ۵۶)

(ترجمہ: از بیان القرآن) اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے اور ایمان دار لوگوں سے سو اللہ تعالیٰ کا گروہ بلا شک غالب ہے۔ قرآن کریم میں یَتَوَلّٰی کے معنی میں قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی نے قاموس القرآن میں لکھا ہے (وہ پیٹھ پھیرتا ہے۔ وہ دوست بناتا ہے۔ تَوَلّٰی سے مضارع واحد مذکر غائب (دیکھو ولی) آگے یتول کے معنی میں لکھا ہے پیٹھ پھیرے۔ دوست بنائے۔ تولی سے مضارع واحد مذکر غائب مجزوم۔ چونکہ قاضی صاحب نے یتولّٰی کے معنی میں لفظ ولی کے معنی دیکھنے کی طرف اشارہ کیا تو وہاں پر ولی کے معنی میں دوست محبوب، محبّ، عزیز، محافظ، مددگار، حاکم کچھ آگے چل کر لکھا ہے کہ ولایۃ او تَوَلِّی کے معنی حفاظت نگرانی اور حکومت کے ہیں۔ (دیکھو قاموس القرآن ص نمبر ۶۲۶ از قاضی سجاد صاحب) اس تناظر میں مُتَوَلّی کے معنی کے سلسلے میں لغات کشوری میں لکھا ہے۔ کام پر رہنے والا، دوستی رکھنے والا، برسرکار رہنے والا۔

عام طور پر فقہ اور مسائل کی کتابوں میں لفظ متولی استعمال کیا جاتا ہے اور مراد اس لفظ سے یہ ہوتی ہے کہ ایک ایسا شخص جو کسی مسجد کا کام خدا کی رضا کیلئے کرے۔ اس کام کے ساتھ وہ دلی لگاؤ اور دوستی رکھتا ہو۔ مساجد کے انتظامی اور تعمیری امور میں ہمیشہ برسرکار ہو۔ مسجد کی آبادی کا متمنی ہو۔ ایسے خدا پرست آدمی کے لیے ''متولی مسجد'' کا محبوب نام استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ کار سیدھا سادہ اور غلو سے پاک ہوتا ہے، لیکن جب سے مغربی فلسفۂ جمہوریت نے پورے عالم میں اپنے بال و پر کھولے اور مسلمانوں نے احساس زیاں سے محروم ہو کر مغرب کی بے جا تقلید کا لباس اوڑھا تب سے وہ اعتدال پسند سوچ سے محروم ہونا بھی شروع ہو گئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ذمہ دار شخصیتوں کے انتخاب میں آجکل افراد کو تولا نہیں جاتا ہے بلکہ گنا جاتا ہے۔ جس طرف اکثریت ہو جاتی ہے چاہے وہ فساق و فجار پر ہی مشتمل کیوں نہ ہو اُن کی بات کو ہی حرف آخر تصور کیا جاتا ہے اور ظلم یہ ہے کہ دنیاوی امور کے علاوہ اب اس منحوس سوچ کا اثر ہمارے دینی اداروں پر بھی پڑھنے لگا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مساجد کے متولی تجویز کرنے میں دینداری اور اہل علم کا پاس نہیں کیا جاتا ہے۔ دنیاوی عہدوں اور ان کی

وجاہت کا پاس ولحاظ کیا جا رہا ہے۔ کہیں کہیں برادری، خاندان اور ذات و قبیلے کا پاس ولحاظ بھی کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کار زجہ ار بدست گلکار والا معاملہ وجود میں آتا ہے۔ اس خرابی کے پیش نظر ہم نے مناسب سمجھا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اور فقہائے کرام کے فرمودات کو مدنظر رکھتے ہوئے مسئلے کو شرعی نقطۂ نگاہ سے اُجاگر کیا جائے تاکہ مساجد کے نظم ونسق کو شریعت ہی کی روشنی میں چلایا جائے اور ایک واضح لائحہ عمل سے عامۃ المسلمین باخبر ہو جائیں۔ اس سلسلے میں ہم نے ایک جلیل القدر مفتی حضرت مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ کا انتخاب کیا ہے، جنہوں نے فتاویٰ رحیمیہ کے نام سے اپنے فتاویٰ کی بہترین کتاب شائع کی ہے، جو ہر جگہ دستیاب ہے اور سمجھنے کے لیے بہت ہی آسان ہے۔ اس میں متولیانِ مساجد کے اوصاف اور ان کے انتخاب کا طریقہ بھی بیان فرمایا گیا۔ (از جانب ادارہ)

مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیئے؟

سوال:۔ ہمارے یہاں مسجدوں کے انتظام کے لیے زیادہ تر دستور ہے کہ محلّہ اور جماعت کا ایک امین، دیندار، نمازی، متولی ہوتا ہے، اور وہ بغیر تنخواہ کے ایمان داری کے ساتھ مسجد کا کام بجالاتا ہے۔ بڑے امور میں نمازیوں سے صلاح، مشورہ وقتاً فوقتاً لیا کرتا ہے۔ متولی ایک ہونے سے خیانت کا ڈر بھی نہیں رہتا ہے، حساب باقاعدہ رکھنا ہی پڑھتا ہے۔ مگر بعض جگہوں میں یہ دستور چل پڑھا ہے کہ پانچ پانچ متولیوں کی کمیٹی بنتی ہے۔ کمیٹی زیادہ تر مسجد کے متعلق تمام امور کا فیصلہ کرتی ہے۔ کمیٹی کے اشخاص چننے میں علم، دینداری، تقویٰ پرہیزگاری نہیں دیکھی جاتی، بے نمازی بھی متولی بن جاتا ہے اور ایک دوسرے کی مروت کی بنا پر ہم خیال ہونا پڑتا ہے۔ کمیٹی میں ایک صدر ایک سکرٹیری دوسرے ممبران ہوتے ہیں۔ مذکورہ دونوں طریق میں افضل و اعلیٰ طریقہ کون سا ہے۔

جواب:۔ کمیٹی کے اکثر ارکان وممبران غیر دیندار اور احکام وقف سے ناواقف ہوں گے تو احکام وقف کے خلاف فیصلے ہونگے۔ اس لیے ایسی کمیٹی سے فقط ایک دین دار احکام وقف سے واقف متولی کا ہونا افضل ہے۔ کام زیادہ ہو، تنہا انجام دینا دشوار ہو تو متولی اپنا نائب رکھ سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم (بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ۲ ص ۱۵۷، ۱۵۸)

مسجد اور مدرسہ کا متولی و مہتمم پابند شرع، دیانتدار ہونا چاہئے نا اہل کی تولیت ٹھیک نہیں

سوال:۔بستی اور قوم اور جماعت میں اہل علم ،مولوی ، حافظ ،قاری موجود ہوتے ہوئے جاہل تارک صوم وصلوٰۃ اور تارک جماعت اور داڑھی منڈانے والے حضرات محض مالدار ہونے کی وجہ سے مسجد کے متولی اور مدرسہ کے مہتمم بنائے جاتے ہیں ۔اس کا کیا حکم ہے؟ متولی و مہتمم کیسے ہونے چاہئیں ۔کہا جاتا ہے کہ اہل علم غریب ہوتے ہیں مفت کام نہیں کر سکتے اور امانت سونپنے میں خیال کرنا پڑتا ہے۔وغیرہ ،لہٰذا بتفصیل جواب دیں؟

جواب:۔اہل علم و پابند صوم وصلوٰۃ اور پرہیزگار کے ہوتے ہوئے بے علم ، بے عمل ، فاسق و فاجر ،داڑھی منڈائے ،تولیت اور اہتمام کے اور دینی سوسائٹی کی قیادت و سیادت کے اہل نہیں ہو سکتے ۔صحیح حق دار حاملین قرآن و پابند شریعت لوگ ہیں ۔حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی رہنمائی وہی کرسکتا ہے جس کی زندگی پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہو ۔اور حضرت حافظ ابن تیمیہؒ کا فرمان ہے کہ امت کا تفاق ہے کہ عالمِ باعمل مسلمان سیادت و قیات کا اہل ہے ۔اگر ایسا شخص مُیسر نہ ہو تو یہ منصب مجبوراً دو شخصوں میں سے ایک کے سپرد کیا جائے گا (۱) عالم فاسق (عالم بے عمل) کو (۲) جاہل متقی (یعنی بے علم باعمل) کو ۔(کتاب السیاستہ الشرعیہ ص ۱۷)

حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جماعت میں سے کسی شخص کو عامل بنایا درحالیکہ اس جماعت میں ایسا شخص موجود ہو جو اللہ کو اس (پہلے شخص) سے زیادہ پسندیدہ ہو تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کی ۔(ازالۃ الخفاء ص ۳۶ ف ۳ عمدۃ المطابع) فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے **ولا یجوز تولیۃ الفاسق مع امکان تولیۃ البر** ۔یعنی نیک آدمی کے ملنے کا امکان ہو تو فاسق کو سردار بنانا ناجائز ہے ۔ص ۱۵۰ ج ۱)

حدیث میں ہے کہ ہر ایک کام اس کے اہل کو سونپے جائیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ **اذا وسد الامر الیٰ غیر اھلہ فانتظر الساعۃ** ۔یعنی جب اہم امور نا اہل کو سپرد کئے

جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔یعنی قیامت قریب آ گئی سمجھو۔بخاری شریف ج ۱ ص ۱۴)

اور آنحضرت ﷺ نے علامات قیامت بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ (ایک علامت یہ ہے کہ) بڑے بڑے کام نا اہل کے سپرد کئے جائیں گے اور قوم کا سردار فاسق ہوگا (مشکوٰۃ ص ۴۷۰)

اور جو اختیاری اُمور علاماتِ قیامت میں سے ہیں وہ گناہ کے کام ہیں ۔اسی لیے حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: حضرت (گنگوہیؒ) نے مجھ کو جواب میں لکھا کہ نا اہل کو کام سپرد کرنا یہ خیانت ہے ۔ایسا کرنے سے ہم پر مواخذہ ہوگا کہ کام نا اہل کو کیوں سپرد کیا گیا۔اصل مقصود خدا کی رضامندی ہے مدرسہ مقصود نہیں ۔اور رہا یہ کہ مدرسہ باقی نہ رہے گا۔اس سے ہم پر مواخذہ نہ ہوگا۔یہ ان سے مواخذہ ہوگا جن کی حرکات سے مدرسہ کو نقصان پہنچے گا۔

اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ جتنا بھی کام ہو صحیح اصول کے تابع ہو۔حدود شرعیہ کے ماتحت رہ کر ہو۔مقصود خدا کی رضا ہے ۔مسلمان کے ہر کام کا مقصود خدا کی رضا ہے مسلمان کے ہر کا مقصد خدا کی رضا ہونی چاہیے ۔مدرسہ رہے یا جائے ۔مدرسہ ملک میں بدنام ہو یا نیک نام ۔چندہ بند ہو جائے یا جاری رہے۔طلباء زیادہ ہوں یا کم ، غرض کچھ بھی ہو،اصول صحیح کے تابع رہنا چاہئے ۔(ملفوظ ص ۴۲۴،۷۳۸ ج ۵) اور فرمایا نا اہل کو ممبر نہیں بنا سکتے (ص ۴۰۳ ج ۵) صرف مالدار ہونے یا امداد کرنے کی بنا پر انسان اہل نہیں ہوسکتا۔

حضرت مولانا عبدالحیٔ کفلیتوی سورتیؒ فرماتے ہیں کہ گو مہتمم مدارس دولت مند ہیں ۔دنیا کے نشیب و فراز کو بخوبی جانتے ہیں ۔لیکن جب انہوں نے نہ مدارس اسکامیہ دیکھے ہوں ،نہ ان کے قوانین انتظام سے کسی طرح واقف ہوں ۔بھلا بتلائے وہ بدون مشورۂ مدرسین بالا ستقلال مدارس کا کیسے انتظام کر سکتے ہیں؟ ایسے انتظام کا آخر کار یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ایسی بدنظمی ہو جاتی ہے کہ ترقیٔ علوم کے جتنے باب ہیں سب مسدود ہو جاتے ہیں۔

(سوانح علوم اسلامیہ ص ۳۸ مطبع نظامی کانپور)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ متولی اور مہتمم عالمِ باعمل ہونا چاہئیے ۔اگر ایسا مُیسر نہ ہو سکے تو صوم وصلوٰۃ کا پابند، امانتدار، مسائل وقف کا جاننے والا ،خوش اخلاق اور رحم دل ،منصف مزاج

علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ صفات زیادہ ہوں اسی کو متولی ومہتمم بنانا چاہیئے۔

(بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد۲ص نمبر۱۶۴،۱۶۵،۱۶۶)

نا اہل متولی اور مہتمم اپنے ماتحت کام کرنے والے اہل علم کو اپنا نوکر سمجھتے ہیں

علامہ کفلیتویؒ فرماتے ہیں یہاں کے لوگ مدرسین کو جیسے بظاہر خادم سمجھتے ہیں ویسے ہی ان کو حقیقت میں بھی خادم سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان پر جابرانہ حکومت کی جاتی ہے جیسے ادنیٰ نوکر پر ،ایسی حالت میں مدرسین سے مدارس کی ترقی کی امید رکھنا کس قدر تعجب خیز امر ہے اور آئندہ کس اُمید پر آدمی کو علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوسکتا ہے۔

(سوانح علوم اسلامیہ ص ۳۸ مطبع نظامی کانپور)

یہ سب کچھ ہورہا ہے، روزمرہ کے نئے نئے قانون بنا کر تنگ کیا جاتا ہے۔ایّام تعطیلات میں تنگی، رخصت دینے میں سختی کا برتاؤ، خوش آمد کرنے والوں سے درگزر کا سلوک، نہ کرے ان سے سختی کا برتاؤ، نیک نامی خوشامد پر موقوف ہے ملاحظہ فرمایئے:۔

علامہ کفلیتویؒ فرماتے ہیں ''یہاں کے لوگوں کے طبائع میں مادّہ خوشامد طلبی کا اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ باوجودے کہ علماء نہایت بزرگ خیال کئے جاتے ہیں تاہم اُن کی تعظیم اور ان کے ساتھ سلوک کرنا، ان کی خوش آمد پر موقوف ہے، لیکن جو لوگ دور دراز ملک کا سفر بغرض تحصیل علوم کرتے ہیں اور دولت علوم سے مالا مال ہوکر آتے ہیں، اور دولت علم پر قانع ہوکے خوشامد سے پہلوتہی کرتے ہیں، تو ان کی تعظیم تو درکنار ہے ان کو تنگ کرنے کے لیے اس قدر اسباب فراہم کئے جاتے ہیں کہ ان کے جس قدر خیالات علوم اسلامیہ کی ترقی کی بابت ہوتے ہیں وہ سب خاک میں مل جاتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں ''مدرسین کی نیک نامی اور بدنامی، یہاں صرف خوشامد اور عدم خوشامد پر مبنی ہے، مدرس کو کتنا ہی لائق ہو اور پڑھانے میں گو کیسی ہی جانفشانی کرتا ہو، لیکن جب تک خوشامد نہ ہوگی نہ اس کے مشاہرہ میں ترقی ہوسکتی ہے، نہ نیک نامی کا اسے تمغہ مل سکتا ہے۔

(سوانح علوم اسلامیہ ص ۳۸ مطبع نظامی کانپور)

بے علم وعمل فاسقوں کو ایسے معزز عہدے سپرد کرنے میں ان کی تعظیم لازم آتی ہے ۔حالانکہ فاسق واجب الاہانت ہے تعظیم کا مستحق نہیں (شامی ص نمبر۵۲۳ ج۱) حاملین قرآن کو جہال فاسقوں کی ماتحتی اور تابع داری کرنے سے ان کی توہین وتذلیل لازم آتی ہے۔ جیسے کہ مردوں کا عورتوں کی ماتحتی اور تابعداری میں رہنا تذلیل سمجھا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔**اذا کان امرائکم شرارکم و اغنیائکم بخلائکم و امورکم الیٰ نسائکم فبطن الارض خیرٌلکم من ظھرھا** (مشکوٰۃ ص۴۵۹) یعنی جب تمہارے سردار فاسق ہوں اور تمہارے دولتمند بخیل ہوں اور تمہارے کام عورتوں کے کہنے پر ہوتے ہوں، تب تمہارے لیے زمین کا پیٹ (دفن ہوجانا) بہتر ہے اس کی پشت (جینے) سے۔(مشکوٰۃ ص۴۵۹)

ارشادنبوی ﷺ ہے **اکرمو حملۃ القران فمن کرمھم فقد اکرمنی** یعنی حاملین قرآن کی تعظیم کرو بے شک جنہوں نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی ۔**(الجامع لاصغیر للامام الحافظ السیوطی مطبع خیریہ مصر ص۴۵ ج۱)**

ایک اور حدیث میں ہے **حامل القران حامل رایۃ الاسلام من اکرمۃ فقد اکرم اللہ و من اھانہ فعلیہ لعنۃ اللہ** ۔یعنی حاملین قران اسلام کے علمبردار ہیں، جس نے ان کی تعظیم کی اُس نے خدا کی تعظیم کی اور جس نے ان کی تذلیل کی اس پر خدا کی لعنت ہے ۔**(الجامع لاصغیر للسیوطی مطبع خیریہ مصر ص۱۲۲ ج۱)**۔

جب متولی ومہتمم وغیرہ نا اہل ہوں گے تو ان کے ائمہ ومؤذنین اور مدرسین حضرات بھی نا اہل ہوں گے وہ ان علماء کی قدر نہ کرسکیں گے جو غیرت منداور خوددار ہوں۔نتیجہ یہ ہوگا کہ جو علماء اہل ہوں گے وہ بددل ہوکر الگ ہوجائیں گے نا اہل پڑے رہ جائیں گے۔جس سے ادارہ کے کاموں میں ابتری ہوگی۔نہ تعظیم ہوسکے گی نہ کوئی تبلیغی کام ہوسکے گا۔جیسا کہ مشاہدہ ہے۔اب رہا یہ سوال کہ اہل علم غریب ہونے کی وجہ سے متولی اور مہتمم کا کام مفت نہ کرسکیں گے ۔تو جواب یہ ہے کہ حالت مذکورہ میں وہ تنخواہ لینے کے حق دار ہیں۔**ومن کان غنیا فلیستعفف و من کان فقیراً فلیا کل بالمعروف** (قرآن حکیم) اور جو غنی ہو اس کو بچنا

چاہیئے (یعنی نہ لینا چاہیئے) اور جو ضرورت مند ہو وہ مناسب مقدار میں ضرورت کے مطابق لے سکتا ہے۔ اسلامی نظام سلطنت میں اہلِ علم بالخصوص حافظ قرآن کو بیت المال سے سالانہ معقول وظیفہ ملتا تھا۔ جامع صغیر میں روایت ہے۔ **حامل کتاب اللہ تعالیٰ له فی بیت المال المسلمین فی کل سنة مائتا دینار** ۔ترجمہ:۔مسلمانوں کے بیت المال میں سے دوسو دینار سالانہ حاملین قرآن کے لیے ہونے چاہئیں (ص۱۲۲ ج ۱) ایک دینار عموماً ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ سونے کا ہوتا تھا۔

رہا امانت داری کا سوال۔؟ تو حاملین قرآن سے بہتر دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید ہے ۔**اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا** بے شک لوگوں میں علم وعمل جس قدر زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ اللہ سے ڈریں گے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک دفعہ اپنے عاملوں کو لکھا کہ ہمارے کاموں پر سوائے اہل قرآن (حافظ) کے سوا کسی اور کو مقرر نہ کرو۔ عاملوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ ہم نے ان کو مقرر کیا مگر وہ لوگ خائن ثابت ہوئے۔ انہوں نے پھر لکھا کہ نہیں، سوائے اہل قرآن کے کسی اور کو نہ مقرر کرو۔ اگر ان میں خیر و بہتری نہ ہوگی تو ان کے غیروں میں بدرجۂ اولی نہ ہوگی ۔(مکارم الفظہ ص ۴۷)

علامہ شامی نے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے۔ **خیرهم خیر من غیرهم و شرهم خیر من وشر غیرهم** ۔یعنی! اہل علم کے بھلے آدمی دوسروں کے بھلے آدمیوں سے بہتر ہیں اور اُن کے خراب آدمی دوسرں کے خراب لوگوں سے بہتر ہیں۔ (شامی ص ۶۶۱ ج ۵)

تاہم ہمیشہ سے ہمارے اکابرین کا مشورہ یہ ہے کہ امانتی ذمہ داری علماء اپنے سر نہ لیں مگر دین کا کام اس کے اہل (عالم، حافظ، قاری اور دیندار) کو ہی سپرد کرنا چاہیئے ۔اور عوام کا فرض ہے کہ دامے، درمے، سخنے نیز خیر اندیشی اور صلاح ومشورہ اور ذاتی تجربہ سے امداد فرماتے رہیں اس میں کوتاہی نہ کریں۔ مسجد و مدرسہ کا کام بھی گھر کے کام کی طرح تقسیم کار کے اصول پر ایک دوسرے کے تعاون سے بہتر اور احسن ہوسکتا ہے فقط (بحوالہ فتویٰ رحیمیہ ج ۲ صفحہ ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹)

متولی مسجد کیسے ہوں؟

سوال:۔مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہیئے؟

جواب:۔مسجد کا متولی عالم باعمل ہو، عالم نہ ہو تو دین دار اور دیانت دار تو ضرور ہو۔ غیر عالم فاسق کو متولی بنانا ناجائز ہے۔ خدا پاک فرماتے ہیں۔ **اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ وَ لَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ** (پ۱۰ سورۂ براۃ) یعنی اللہ کی مسجدوں کو صرف وہی آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں تو امید ہے کہ یہ لوگ فلاح وکامیابی کی راہ پانے والے ہوں گے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ تحریر فرماتے ہیں۔ نیز یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ خدا پاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے۔ اور وہ ہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق وفاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہوسکتا، کیوں کہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی، بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں ۔(وہ یہ کہ) مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور (ترجمان القرآن)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی رہنمائی وہی کرسکتا ہے۔ جس کی زندگی پیغمبر ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بصواب

(بحوالۂ فتاویٰ رحیمیہ جلد ۳ ص نمبر ۱۶۴، ۱۶۵)

داڑھی منڈے والے کی امامت اور شرعی داڑھی کی حد

سوال:۔داڑھی منڈوانا اور کتروانا کیسا ہے؟ ایسا شخص فاسق ہے یا نہیں؟ اس کی امامت مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔داڑھی منڈانا اور شرعی حد سے آگے کتروانا ناجائز اور حرام ہے۔ اس کا مرتکب فاسق

اور مردود الشہادۃ ہے۔اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے ''مالا بدمنہ'' میں ہے۔ تراشیدن ریش پیوستہ از قبضہ حرام است (ص ۱۳۰) اور درمختار میں ہے اذا کانت بقدر المسنون وھو القبضۃ (الیٰ قولہ) وھی دود ذالک کما یفعلہ بعض المغاربۃ و مخنثۃ لرجال فلم یبح احد و اخذ کلھا فعل ھنود الھند و مجوس الاعاجم فتح ۔یعنی ایک مشت سے کم کرنا جیسا کہ بعض مغربی مسلمان اور مخنث مرد کرنے لگے ہیں۔کسی نے اسکو جائز نہیں کہا (درمختار مع الشامی ص ۱۵۵ ج ۲) اور اسی میں دوسری جگہ ہے۔یحرم علی الرجل قطع لحیۃ ۔یعنی مرد کے لیے دوسرے کی داڑھی قطع کرنا حرام ہے (ص ۳۵۹ ج ۵) بحوالہ فتویٰ رحیمیہ جلد ۲ صفحہ نمبر ۲۳۸، ۲۳۹)

فاسق کس کو کہتے ہیں اور شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

گناہِ کبیرہ اور صغیرہ کی مختصر فہرست

سوال:۔فاسق کی کیا تعریف ہے؟ اور شریعت میں اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کن گناہوں کے مرتکب کو فاسق کہتے ہیں؟ بینوا توجرا۔

جواب:۔جو شخص گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو یا گناہِ صغیرہ پر اصرار کرتا ہو ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق مردود الشہادت ہوتا ہے یعنی اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی، گناہِ کبیرہ وصغیرہ کی فہرست کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک رسالہ مسمّٰی بہ ''گناہِ بے لذت'' ہے، اس میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ان میں سے بعض گناہِ کبیرہ یہ ہیں، نماز چھوڑنا، نماز کو اپنے وقت سے مقدم یا موخر کرنا، زکوٰۃ نہ دینا، چوری کرنا، لوگوں کو گانے سنانا، لوگوں کے سامنے ستر کھولنا (جیسے آجکل دریا کنارے سوئمنگ پول اور فٹبال وغیرہ کھیلوں میں عموماً ہوتا ہے)، از راہِ تکبر لنگی یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، غیبت کرنا، چغل خوری کرنا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی قسم کھانا، کسی کا مال غصب کرنا، سود کھانا، رشوت لینا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، یتیم کا مال ناحق کھانا، قطع رحمی کرنا، کسی صحابی کو بُرا کہنا (جیسے روافض اور خوارج فرق ضالّہ کا طریقہ ہے) علماء اور حفاظ قرآن کو بُرا کہنا ان کو بدنام کرنے کے لیے درپہ ہونا، باوجود قدرت کے امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کو چھوڑنا، جوا کھیلنا (جس کا ایک نیا طریقہ آجکل لاٹری ہے) معاصی پر کسی کی اِعانت کرنا یا گناہ پر آمادہ کرنا، عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا، کسی دوسرے کے گھر میں جھانکنا، دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا، شراب پینا، لوگوں کے نسب پر طعنے دینا، گانے بجانے کے ساتھ رقص کرنا وغیرہ وغیرہ۔

گناہِ صغیرہ پر اصرار یعنی بار بار کرنے سے وہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے، گناہِ صغیرہ میں سے بعض یہ ہیں۔غیر محرم عورت کو بقصد دیکھنا، کسی مسلمان کی ہجو کرنا، اگرچہ اشارہ کنایہ سے ہو اور بات سچی ہو، کسی فاسق کے پاس اٹھنا بیٹھنا، مسجد میں نجاست داخل کرنا، کھانے پینے کی ضروری اشیاء اناج وغیرہ کو گرانی کے انتظار میں روکے رکھنا، جمعہ کی اذان کے بعد بیع وشراء کرنا، شوقیہ کُتا پالنا (آجکل یہ وبا عام ہو رہی ہے) شراب کو اپنے گھر رکھنا، کھڑے کھڑے پیشاب کرنا، نماز میں دئیں بائیں یا آسمان کی طرف دیکھنا، زکوٰۃ ردی مال سے ادا کرنا، زوجہ کو ایک سے زیادہ طلاق دینا، بحالت حیض طلاق دینا، اپنی اولاد کو چیز دینے میں برابری نہ کرنا (ہاں کسی لڑکے یا لڑکی میں علم وصلاحیت زیادہ ہونے کے سبب اس کو کچھ زیادہ دیدے تو مضائقہ نہیں ۱۲) دانتوں کو سونے کے تار سے باندھنا، اذان سننے کے بعد گھر میں بیٹھ کر اقامت کا انتظار کرنا، محض ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا، مسلمان سے بدگمانی کرنا، گانا سننا، جو لوگ کسی شخص کی امامت سے ناراض ہوں ان کی امامت کرنا، اگر ان کی ناراضگی بے وجہ ہو۔راستہ میں نجاست ڈالنا وغیرہ وغیرہ فقط واللہ اعلم بالصواب۔(بحوالہ فتویٰ رحیمیہ جلد ششم ص نمبر ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵)